لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

دینؔ و ملّتؔ کے سپاہی

عہدِ عباسی میں یونانی علوم وفنون کے فروغ کے بعد ضرورت محسوس ہوئی تھی کہ مذہبی علوم کے ساتھ فلسفہ وحکمت اور ریاضی وہیئت کو نصاب درس میں شامل کیا جائے تاکہ علماء کو زمانہ کے حالات کا اندازہ ہو اور جو زہر نئی راہوں سے پھیل رہا ہے اس کا تریاق تیار ہو سکے۔ نئے ابن رشد و ابن حزم اور نئے غزالی اور رازی ہوں جو حریفوں کو انھیں کے ہتھیاروں سے شکست دیں وہ نئے حالات کو سمجھیں، وقت کے تقاضوں سے باخبر ہوں، نئی تہذیب ومعاشرت کا اندازہ کریں اور زندگی کے میدان میں نئے ساز وسامان سے آراستہ ہو کر قدم رکھیں، وہ کتاب وسنت پر گہری نظر رکھتے ہوں، فقہاء اسلام کی کاوشوں سے واقف ہوں، متکلمین کے کارناموں پر ان کی نظر ہو، اور جدید علوم وآداب سے باخبر ہوں تاکہ قدیم وجدید کے امتزاج سے وہ اکسیر تیار ہو جو ملت کے امراضِ کہنہ کو دور کر دے اور اس کے تنِ ناتواں کے اندر نئی روح پھونک دے جس سے اس کے اعضاء وجوارح میں ایسی قوت وتوانائی پیدا ہو جو اس کے لئے کامیابی کے دروازے کھول دے۔

عربی مدارس کے قیام کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں دین وملّت کے ایسے سپاہی تیار کئے جائیں جو ہر حال میں اسلام کی حفاظت کر سکیں اور الحاد وبے دینی کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روک سکیں، آغاز کار کے وقت ان درسگاہوں نے اس زمانہ کے حالات کے مطابق مفید وموثر لائحہ عمل تیار کیا تھا اور نصاب ونظامِ تعلیم کے ایسے خاکے بنائے تھے جو اس وقت کی ضرورت کے مطابق تھے، جب تک وہ فضا قائم رہی یہ نظام تعلیم مفید اور کارگر ثابت ہوا لیکن اب جب کہ عرصہ سے حالات بدل چکے ہیں ضرورت ہے کہ ہماری درسگاہوں میں بھی انقلاب ہو، زمانہ کی نئی ضرورتوں کے مطابق پھر سے نصاب تعلیم مرتب ہو اور تعلیم وتربیت کے ایسے اسلوب اختیار کئے جائیں جو طلبہ کو وقت کی ضرورتوں کے مطابق زندگی کے نئے میدانوں کے لئے تیار کر سکیں، یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ آج کے طلبہ کل کے علماء ہوں گے، قوم کی باگیں ان کے ہاتھ میں ہوں گی اور یہی کشتیٔ ملت کے ناخدا ہوں گے۔

(مولانا عبد السلام قدوائی ندوی مرحوم)

Regd No. LW/NP 56

Phone: 42948 / 49747

TAMEER-E-HAYAT

Fortnightly

(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW 230007 (INDIA)

بقیہ صفحہ ۲

موضوع پر ہزاروں صفحات سیاہ کئے ہیں، مجھ پر ان کتابوں کے مصنف کی حیثیت سے بھی ذمہ داری ہے کہ میں آپ کا احتساب کروں۔

آپ ان اسلاف کے نام لیوا ہیں جنھوں نے دین میں ادنیٰ تحریف اور مسلمانوں کے ادنیٰ انحراف کو برداشت نہیں کیا، آج معاملہ بدعات کا نہیں، آج معاملہ انگریزی تعلیم کا نہیں، آج معاملہ ایک طرف شرک جلی، اصنام پرستی اور دیومالائی (میتھالوجی) کا ہے، آج معاملہ برہمنی تہذیب اور ہندو معاشرت کے قبول کرنے کا ہے، دوسری طرف آج معاملہ مکمل لادینیت اور کمیونزم کے قبول یا رد کرنے کا ہے، آج معاملہ ایک ایسی قوم کی حیثیت اختیار کرنے کا ہے جس کی ساری وفاداریاں اور وابستگیاں اس خاک کے ساتھ ہوں، جن سے ہمارے ظاہری جسم کا خمیر اٹھا ہے، اسی کے لئے جینا اور مرنا ہو، آج کا چیلنج اور آج کا خطرہ پچھلے تمام چیلنجوں اور خطرات سے زیادہ سنگین ہے اور اس کے قبول کرنے کے لئے کہیں زیادہ جرأت، کہیں زیادہ ایمان اور استقامت اور کہیں زیادہ ایثار وقربانی کی ضرورت ہے۔!!

بقیہ صفحہ ۴

عباس کا مقالہ ادبی اعتبار سے شاہکار تھا، زبان، علم وفکر کا مجموعہ گویا ادب کی صحیح اور کامیاب نمائندگی تھی۔ آخر میں جنرل سکریٹری ڈاکٹر احمد خبیب نے محترم ولی عہد، امراء اور حاضرین کا شکریہ ادا کر کے آئندہ سال کے موضوع کا اعلان کیا

۱۔ اسلامی تحقیق کے لئے اثر تطبیق الشریعۃ الاسلامیۃ فی اصلاح المجتمع۔

۲۔ ادب کے لئے تحقیق مؤلفات ودواوین القرن الثانی والثالث الھجری۔

جلسہ کے اختتام کے اعلان کے ساتھ محترم ولی عہد، وزیر دفاع اور گورنر ریاض تشریف لے گئے اور تمام حاضرین کی رات کے کھانے سے ضیافت کی گئی، کھانا عرب میزبانی کا سچا اور عمدہ نمونہ تھا، جس کے لطف کے ساتھ ساتھ دعوت خوب مزے لیکر کھائی۔ اور منتظمین کے حسن انتظام کی تعریف کی۔ دوران طعام اور راستہ میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی کے ایثار، اخلاص، بے لوثی اور قربانی کے تذکرے سنائی دیتے رہے۔ کھانے کے بعد امیر خالد الفیصل نے تمام حضرات کو شکریہ کے ساتھ رخصت کیا۔ بلاشبہ سعودی حکومت کا یہ اقدام اور خدام اسلام، علم وفکر، تحقیق اور ادب کا اعتراف، احترام اور ہمت افزائی لائق ستائش اور قابل مبارکباد ہے۔ والسلام

خادم۔ اجتبا ندوی

بقیہ صفحہ ۱۰

میں جو باغیانہ جذبات پیدا ہو رہے ہیں، اس کی نمائش میدان میں نہ ہو۔ اب دیکھنا ہے کہ روس اپنی طاقت کے زعم میں پرچم پارٹی کی سیادت کو قائم رکھنے کے لئے کتنی قربانی دیتا ہے یا وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایشیا کے امن کو کس طرح برباد کرتا ہے اس کا صحیح اندازہ تو افغان پہاڑیوں سے برف پگھلنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے تب تک تو بہر حال انتظار کرنا پڑے گا اور اس وقفہ میں مجاہدین اور اسلامی ممالک روسی افواج کا دفاع کرنے کے لئے کس طرح اپنے آپ کو تیار کرتے ہیں۔

تعمیر حیات کی

اشاعتِ خاص

- مولانا عبد السلام قدوائی ندویؒ
- مولانا سیّد محمد الحسنیؒ
- مولانا اسحاق جلیس ندویؒ

کے حالات، واقعات، علمی وادبی خدمات، خصوصیات وکمالات اور کارناموں کی تفصیل۔

ملنے کا پتہ: مکتبہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، قیمت: 25/-

اعلان بسلسلۂ خاص نمبر

ضخیم اور قیمتی نمبر عام ڈاک سے بھیجنے میں ضائع ہونے کا خطرہ تھا اس لئے وصول شدہ منی آڈروں پر اخراجات ڈاک کی وی۔ پی بھیج دی گئی ہے۔ براہ کرم خریداران حضرات منی آرڈر رجسٹری فیس کے ساتھ مبلغ /۹/ ارسال کریں

القرآن

★ ہمیں معلوم ہے کہ جو باتیں یہ لوگ تم پر بناتے ہیں ان سے تمہارے دل کو سخت کوفت ہوتی ہے اس کا علاج یہ ہے کہ "اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اس کی جناب میں سجدہ بجالاؤ اور اس آخر گھڑی تک اپنے رب کی بندگی کرتے رہو جس کا آنا یقینی ہے۔"
(الحجر ۹۷ تا ۹۹)

★ پس اے محمدؐ، تم اور تمہارے وہ ساتھی جو (کفر و بغاوت سے ایمان و طاعت کی طرف) پلٹ آئے ہیں، ٹھیک ٹھیک راہِ راست پر ثابت قدم رہو جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو جو کچھ تم کر رہے ہو اس پر تمہارا رب نگاہ رکھتا ہے۔ ان ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا ورنہ جہنم کی لپیٹ میں آجاؤ گے اور تمہیں کوئی ایسا ولی و سرپرست نہ ملے گا جو خدا سے تمہیں بچاسکے اور کہیں سے تمہیں مدد نہ پہنچے گی۔
(ہود: ۱۱۱ تا ۱۱۳)

★ ہم نے زمین اور آسمان کو اور ان کی سب موجوات کو حق کے سوا کسی اور بنیاد پر پیدا نہیں کیا ہے اور فیصلے کی گھڑی یقیناً آنے والی ہے۔
پس اے محمدؐ تم (ان بے ہودگیوں پر) شریفانہ درگذر سے کام لو۔ یقیناً تمہارا رب سب کا خالق ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔
(الحجر: ۸۵ تا ۸۶)

★ اور اے نبی، تم اس ہدایت کی پیروی کئے جاؤ جو تمہاری طرف بذریعہ وحی بھیجی جارہی ہے، اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کردے اور وہی بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔
(یونس: ۱۰۹)

★ اے محمدؐ! ان لوگوں نے اس کوشش میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ تمہیں فتنے میں ڈال کر اس وحی سے پھیر دیں جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے تاکہ تم ہمارے نام پر اپنی طرف سے کوئی بات گھڑو، اگر تم ایسا کرتے تو وہ ضرور تمہیں اپنا دوست بنا لیتے اور بعید نہ تھا کہ اگر ہم تمہیں مضبوط نہ رکھتے تو تم ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک جاتے، لیکن اگر تم ایسا کرتے تو ہم دنیا میں بھی دوہرے عذاب کا مزہ چکھاتے اور آخرت میں بھی دوہرے عذاب کا، پھر ہمارے مقابلے میں تم کوئی مددگار نہ پاتے۔
(بنی اسرائیل: ۷۳ تا ۷۵)

الحدیث

★ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ :۔
"دعوتی کام کرنے والوں کو صابر اور بردبار ہونا چاہیئے۔ لوگ اگر غصہ دلانے والی حرکات پر اتر آئیں تو ایسے موقع پر غصہ کا جواب غصے سے نہیں دینا چاہیئے، غصہ آئے تو تھوک دینا چاہیئے۔ اگر لوگ ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت فرمائے گا اور دشمن ان کے سامنے جھک جائے گا، وہ گہرا دوست اور پرجوش حامی بن جائے گا۔
(بخاری)

★ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ قیس کے پاس دین اور اس کے احکام سکھانے کے لئے بھیجا، وہاں پہنچکر مجھے تجربے سے معلوم ہوا گویا یہ بھڑکے ہوئے اونٹ ہیں۔ دنیا کے حریص، ان کا کوئی نصب العین نہیں ہے، ان کی ساری دلچسپی اپنی بکریوں اور اونٹوں سے ہے تو میں نبی صلی اللہ کے پاس واپس پہنچا، آپ نے پوچھا "اے عمارؓ! اپنے کام کی رپورٹ دو کیا کیا؟
تو میں نے آپؐ کو سارا قصہ سنایا۔ میں نے آپ کو بتایا کہ یہ لوگ دین سے غافل ہیں۔
آپ نے فرمایا، "اے عمارؓ! ان سے زیادہ تعجب خیز معاملہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے دین کا علم سیکھا مگر انہی کی طرح دین سے غافل اور بے پرواہ ہوگئے۔"

★ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، "تم میں سے جس شخص نے اپنے معاشرے میں کوئی برائی دیکھی اور طاقت استعمال کرکے اسے دور کردیا تو وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہوا اور جس شخص نے طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے اپنی زبان استعمال کی اور اس کے خلاف آواز اٹھائی وہ بھی سبکدوش ہوا اور جو شخص اپنی زبان نہ استعمال کرسکے اور دل میں اس برائی سے نفرت کرے اور برا سمجھے تو وہ بھی مواخذہ سے بچ جائے گا اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔
(ترغیب و ترہیب بحوالہ نسائی)

نبیِ اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انسانی فلاح و بقا

انتخاب: مولانا افتخار فریدی مراد آباد

ایک سائل دنیا و آخرت کی فلاح و بقا و کامیابی کی راہ پانے کے چند سوال کرتا ہے:

سائل : اے اللہ کے رسولؐ! میں چاہتا ہوں کہ دنیا کا سب سے بڑا عالم بن جاؤں۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تو خدا سے ڈرتا رہ تو سب سے بڑا عالم بن جائے گا۔

سائل : میں چاہتا ہوں کہ تمام انسانوں سے زیادہ مالدار بن جاؤں۔
حضورؐ نے فرمایا: تو قناعت اختیار کر سب سے زیادہ مالدار ہو جائے گا۔

سائل : میں چاہتا ہوں کہ سب سے بہتر شخص ہو جاؤں۔
حضورؐ نے فرمایا: سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہونچائے، سب کے لئے نفع بخش بن جا بہتر ہو جائے گا۔

سائل : سب سے زیادہ عادل بننا چاہتا ہوں۔
حضورؐ نے فرمایا: تمام انسانوں کے لئے وہی پسند کر جو اپنے لئے پسند کرتا ہے سب سے زیادہ منصف عادل بن جائے گا۔

سائل : سب لوگوں سے زیادہ خدا کے دربار میں مخصوص و مقرب بننا چاہتا ہوں۔
حضورؐ نے فرمایا: خدا کا ذکر خوب زیادہ کر خدا کے دربار میں مخصوص مقرب ہو جائے گا۔

سائل :۔ میں محسنوں اور نیکو کاروں میں سے ہونا چاہتا ہوں۔
حضورؐ نے فرمایا :۔ اللہ کی عبادت ایسی کر کہ تو دیکھ رہا ہے اگر یہ ہو سکے تو جیسے وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

سائل :۔ میں چاہتا ہوں میرا ایمان مکمل ہو جائے۔
حضورؐ نے فرمایا :۔ اخلاق سنوار لے تیرا ایمان مکمل ہو جائے گا۔

سائل نے عرض کیا :۔ میں اطاعت گذاروں میں سے ہونا چاہتا ہوں۔
حضورؐ نے فرمایا :۔ اپنے فرائض ادا کرتے رہو تیرا مُطیع میں شمار ہو جائے گا۔

سائل :۔ میں خدا سے اس حال میں ملنا چاہتا ہوں کہ تمام گناہوں سے پاک و صاف ہوں۔
حضورؐ نے فرمایا۔ تو جنابت سے غسل کیا کر اس کی برکت سے گناہوں سے پاک اٹھے گا۔

سائل :۔ میں چاہتا ہوں حشر میں نور کے ساتھ اٹھایا جاؤں۔
حضورؐ نے فرمایا :۔ تو کسی پر ظلم نہ کر قیامت کے دن نور میں اٹھے گا۔

سائل :۔ میں چاہتا ہوں خدا مجھ پر رحم کرے۔
حضورؐ نے فرمایا :۔ تو اپنی جان پر اور خلق خدا پر رحم کر، خدا تجھ پر رحم کرے گا۔

سائل :۔ میں چاہتا ہوں میرے گناہ کم ہوں۔
حضورؐ نے فرمایا :۔ استغفار کثرت سے پڑھا کر تیرے گناہ کمتر ہو جائیں گے۔

سائل :۔ میرے رزق میں زیادتی ہو۔
حضورؐ : ہمیشہ طہارت کے ساتھ رہ تیرے رزق میں برکت ہوگی۔

سائل : میں چاہتا ہوں خدا و رسول کا دوست بن جاؤں۔
حضورؐ :۔ جو خدا و رسول کو پسند ہے وہ پسند کر جو خدا و رسول کو ناپسند ہے تو اسے ناپسند کر خدا و رسول کا دوست بن جائے گا۔

سائل :۔ میں خدا کے غضب سے بچنا چاہتا ہوں۔
حضورؐ :۔ تو کسی پر بے جا غصہ نہ کر تو خدا کے غضب و ناراضی سے بچے گا۔

سائل : میں خدا کے دربار میں مستجاب الدعوات بننا چاہتا ہوں۔
حضورؐ :۔ تو خدا کی حرام چیزوں اور باتوں سے بچ تو مستجاب الدعوات بن جائے گا۔

لکھنؤ
تعمیر حیات
پندرہ روزہ
شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
جلد نمبر (۱۷) ۲۵ مارچ ۸۰ء ۔ ۷ جمادی الاول ۱۴۰۰ھ شمارہ نمبر ۱۰

زرتعاون
اندرون ملک ۱۶ روپے
فی پرچہ ۸۰ پیسے
بیرون ملک بحری ڈاک جملہ ممالک ۴ پونڈ
ہوائی ڈاک
ایشیائی ممالک ۶ پونڈ
افریقی ممالک ۷ پونڈ
یوروپ و امریکہ ۹ پونڈ

دارالعلوم دیوبند کا صد سالہ اجلاس

اور

بدلتے ہوئے حالات میں اس کے خوش آئند عزائم

انیسویں صدی کا پورا عہد انقلاب اور تبدیلی کی آندھیوں کا عہد تھا جس نے بے شمار پرانے چراغ گل کر دیئے۔ ان تبدیلیوں کی انتہا ۱۸۵۷ء میں ہوئی جب دو برس کے اندر لکھنؤ اور دہلی کی حکومتوں کا خاتمہ ہوگیا اور پورے شمالی ہند میں کلکتہ سے لے کر پشاور تک غیر ملکی اقتدار قائم ہوگیا۔

تعلیمی دانشگاہیں اور درس و تدریس کے وہ حلقے جن سے زمانے کے نبض شناس علماء و صلحاء پیدا ہوتے تھے وہ بھی حکومت کے عدم التفات اور علوم دینیہ سے مسلمانوں کی عدم دلچسپی کی وجہ سے آخری سانس لے رہے تھے، اسی وقت باطل تحریکیں بھی زور پکڑنے لگیں۔

مسلمانوں کی حکومت کے زوال اور بیرونی اقتدار کے قائم ہو جانے کے بعد علماء دین کو ہندوستان میں دین برحق، اسلام کے مستقبل اور علوم دینیہ کے بارے میں تشویش لاحق ہوئی انہوں نے دیکھا کہ حکومت ان کا ساتھ نہیں دے رہی ہے اور نہ ان کے پاس مال و دولت ہے جس کو وہ خرچ کر سکیں اور نہ منصب و عہدے ان کے پاس ہیں جس سے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کر سکیں بلکہ وہ فقیر اور کمزور لوگ ہیں جن کی ساری پونجی علم ہے اور ان کا سرمایہ دین ہے، ان کا زاد راہ توکل اور ان کا ہتھیار تلوار و تیر کے بجائے اخلاص ہے۔ تاریخ کے ایسے نازک موڑ پر اللہ کے کچھ نیک بندوں نے ایک ایسے اسلامی قلعہ کی تعمیر کا ارادہ کر لیا جس سے شریعت اسلامی کی حفاظت کی جائے اور جہاں علوم دین کو پناہ مل سکے، چنانچہ غیرت مند علماء دین کی ایک جماعت دیوبند ضلع سہارنپور کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جمع ہوئی جن میں اکثر درسگاہ ولی اللّٰہی کے خوشہ چین اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے ماننے والے تھے۔ سرفہرست مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ کا نام آتا ہے، اللہ کے ان نیک بندوں نے وہاں پر انار کے درخت کے نیچے ایک دینی مدرسہ کی ۱۲۸۳ھ میں داغ بیل ڈالی۔

۱۸۵۷ء اپنے ساتھ ایک ہمہ گیر انقلاب کی دعوت لے کر آیا تھا، یہ ان حضرات کی انتہائی دور اندیشی تھی کہ انہوں نے وقت کے تقاضے کو محسوس کر لیا اور نئے چیلنج کو پوری جرأت و ہمت سے قبول کرنے کا تاریخی فیصلہ کر لیا۔

دارالعلوم دیوبند کے قیام کو ایک صدی سے زائد ہو رہے ہیں وہ جن سنگین اور غیر معمولی حالات میں قائم ہوا تھا کم و بیش وہی حالات آج بھی ہیں، صرف اسلوب اور انداز بدل گیا ہے ۔۔ وقت کے جدید تقاضوں کا احساس کر کے دارالعلوم دیوبند کے روشن ضمیر میر کارواں مولانا قاری محمد طیب صاحب نے مسلمانوں کی موجودہ اور آئندہ نسلوں کی ضرورتوں اور زمانے کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے پر غور و فکر کے لئے صد سالہ اجلاس کی دعوت دی ہے، قاری صاحب نے ایک اخباری بیان میں فرمایا کہ سائنس کی ترقی کے بعد اس بات کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ مذہب کی برتری اور اسلام کے بنیادی عقیدوں کو برقرار رکھتے ہوئے اکتشافات جدیدہ کو اپنایا جائے اور مسلمانوں کی موجودہ اور آئندہ نسلوں کو باخبر انسان اور سچا مسلمان بنانے کے لئے ایک مناسب لائحہ عمل تیار کیا جائے اور سائنس اور مذہب کو ایک دوسرے کی ضد قرار دینے کے بجائے دونوں میں ایک عقلی اور منطقی سمجھوتے کو ممکن بنایا جائے۔

قاری صاحب کا مندرجہ بالا بیان ان کی روشن ضمیری، دور اندیشی، مومنانہ بصیرت اور فراست کی دلیل ہے، ہمارے ہندوستانی علماء نے ہمیشہ اس ملک میں اسی تدبر و بصیرت کا ثبوت دیا ہے چنانچہ ہندوستان کے نصاب درس اور عہد بعہد اس کی تبدیلیوں سے اس کا پورا ثبوت ملتا ہے، ہمارے روشن ضمیر علماء ہمیشہ نصاب تعلیم کو ایک تغیر و ترقی پذیر ذریعہ تعلیم و تربیت قرار دیتے رہے ہیں جسے زمانہ کی تبدیلیوں اور تقاضوں کے مطابق (اپنی روح و مقاصد اور اساسی علوم کی حفاظت کے ساتھ) بدلتے اور ترقی کرتے رہنا چاہیئے، نصاب تعلیم ایک زندہ و نامی جسم کی طرح، زندگی، ترقی اور وسعت کی صلاحیتوں سے بھرپور ہے، نصاب تعلیم ہی کے ذریعہ اس رواں دواں زندگی کا جائزہ و احتساب کیا جاتا ہے۔ نئے نئے فتنوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت اسی سے پیدا ہوتی ہے، زندگی کی رفاقت و قیادت کے گُر اسی سے معلوم ہوتے ہیں۔ نصاب تعلیم ہی

اس دائرہ میں اگر سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ سولہ روپے ارسال فرمائیے، اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی ہی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ 19/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

سے لوگوں کو سرود ازلی اور پیغام محمدی سنانے کے لئے نئی زبان، نیا اسلوب اور نیا ڈھنگ معلوم ہوتا ہے۔ ایک بہتر اور تغیر پذیر نصاب تعلیم ہی معاشرہ کو ہر وقت توانائی و زندگی کی صلاحیت عطا کر سکتا ہے، ہمارے ان روشن ضمیر، بالغ نظر اور دور اندیش علماء پر خدا کی رحمتیں ہوں جنھوں نے اصلاح نصاب کی آواز بلند کی اور جدید تقاضوں کے مطابق نصابی کتابیں بھی تیار کرائیں اور ایک دارالعلوم کی بنیاد ڈال کر عملی نمونہ بھی پیش کر دیا۔ ندوہ کا یہ نصاب تعلیم برابر تبدیلی اور ترمیم کی منزل سے گذرتا رہا اور بدلے ہوئے حالات اور علم وادب کے انقلابات اور علمی ذوق کے تغیرات برابر اس کے سامنے رہے۔

دارالعلوم دیوبند کے اس عظیم الشان صد سالہ اجلاس کے موقعہ پر نصاب تعلیم میں تبدیلی و تغیر کے لئے یقیناً کمیٹیاں بنیں گی جن کا کام بلاشبہ بڑا نازک ہوگا، ہمیں امید ہے کہ اس میں بنیادی اور دور رس تبدیلی عمل میں لائی جائے گی دوسرے یہ کہ یہ تبدیلی وقتی نہ ہوگی بلکہ تبدیلی کا یہ عمل مسلسل جاری رہے گا۔

نصاب تعلیم کی تبدیلی کے وقت ہمیں جن بنیادی باتوں کا لحاظ رکھنا ہے وہ میرے نزدیک مندرجہ ذیل ہو سکتی ہیں۔

● عربی مدارس میں موضوع سے تعلق اور ربط کے بجائے سارا زور کتاب پر دیا جاتا ہے، ہماری صلاحیتوں کا بڑا حصہ کتاب کے متون، حواشی اور نوٹس پر صرف ہو جاتا ہے اور ہم اسی پر اپنی محنت صرف کر دیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری نظر محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور اسی موضوع کی اگر کوئی دوسری کتاب جدید انداز میں آجاتی ہے تو اس کا سمجھنا ہمارے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ طالب علم میں جدت اور فکر انگیزی کے بجائے جمود اور تقلیدی ذہن پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وقت جدید طریقہ یہ ہے کہ استاذ اور طالب علم کسی متعین کتاب کے پابند نہیں ہوتے، بلکہ ایک موضوع پر متعدد کتابیں ان کے سامنے رہتی ہیں ان سب سے مواد لے کر ایک مرتب چیز طلبہ کے سامنے پیش کی جاتی ہے اس طرح ذہنی افق وسیع ہو جاتا ہے اور ایک موضوع پر مختلف نقطۂ نظر سامنے آجاتے ہیں۔

● ہمارے عربی مدارس میں (مثال کے طور پر) فقہ و قانون کا صرف ایک پہلو پڑھایا جاتا ہے، چنانچہ ہماری نظر صرف اسلامی قانون تک محدود ہو کر رہ جاتی ہے حالانکہ جدید حالات کا تقاضا یہ ہے کہ دوسری قوموں کے قوانین بھی پڑھائے جائیں تاکہ اسلامی فقہ و قانون سے اس کا موازنہ کر کے ہم اسلامی قانون کی برتری ثابت کر سکیں، اس طرح نصاب درس کو ہم موجودہ معاشرہ سے ہم آہنگ کر سکتے ہیں، عالم اسلام کی تمام درسگاہوں میں فقہ مقارن کا الگ شعبہ عرصہ سے کام کر رہا ہے۔

● عربی مدارس میں جو ادب پڑھایا جاتا ہے اس میں الفاظ پر زیادہ زور دیا جاتا ہے، حالانکہ الفاظ کے معانی ہم کسی لغت کی کتاب سے بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ ادب تو زندگی اور معاشرے کی تصویر ہوتا ہے؛ وہ رواں دواں زندگی کی عکاسی کرتا ہے، ایسے ادب سے جس میں ایمان و عقیدہ اور علم وادب دونوں کی رعایت رکھی جاتی ہے، طالب علموں میں عالی ہمتی، بلند نظری، شریفانہ جذبات اور ایک ارتقا پذیر صحت مند ادبی ذوق پیدا کرنے میں مدد ملتی ہے۔

بہت سے حضرات کو یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ عربی زبان صرف تفسیر و حدیث اور فقہ میں محدود ہے، اور اس زمانہ میں جو عربی پڑھائی جاتی ہے وہ جدید عربی ہے حالانکہ یہ سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اس وقت عالم عربی میں جو زبان استعمال کی جا رہی ہے وہ خالص عربی زبان ہے اور قرآن و حدیث کی زبان سے قریب تر ہے۔ نئی ضرورتوں کے لئے عربوں نے عربی کے قدیم ذخیروں اور قرآن و حدیث سے الفاظ نکال کر نئے اسلوب میں جدید اصطلاحات کو استعمال کیا ہے اس لئے 'جدید عربی' سے بدکنے کی ضرورت نہیں۔

اس وقت جب کہ دارالعلوم دیوبند کے عظیم الشان اجتماع کے موقع پر برصغیر کے بیشتر علماء، مدرسین اور ماہرین تعلیم جمع ہیں اور نصاب تعلیم میں تبدیلی کی باتیں ہو رہی ہیں ہم تمام عربی مدارس کے ذمہ داروں کو ایک دوسری بنیادی چیز کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

اب جب کہ ہم نصاب تعلیم کی تبدیلی پر غور کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں یہ ہر طرح مبارکباد کے قابل ہے، مگر ہماری یہ اصلاحی کوششیں اس وقت تک بارآور اور نتیجہ خیز نہیں ہو سکتیں جب تک ہم نظام تعلیم و تربیت میں بنیادی تبدیلی نہیں کرتے۔ یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ صرف ہمارا نظام تعلیم و تربیت ہی ایسا ہے جو فن تدریس کے اصولوں کے بغیر علم نفسیات سے مستغنی ہو کر پرانے ڈھرے پر چلا جا رہا ہے۔

یورپ کے صنعتی انقلاب نے یوں تو زندگی کے تمام شعبوں کو متاثر کیا مگر نظام تعلیم و تربیت پر خاص اسباب کی بنا پر سب سے زیادہ توجہ دی گئی اس کے نتیجہ میں صنعتی پیداوار میں زبردست اضافہ ہوا، اس سلسلہ میں جہاں جدید تقاضوں کے مطابق نصاب بنائے گئے وہیں تعلیم اور تربیت کے میدان میں نت نئے اسالیب اختیار کئے گئے۔ انسان کے جسمانی و عقلی صحت کی تحقیق کر کے اس کا تجزیہ و تحلیل کیا گیا اور انسانی نشوونما پر ماحول اور تعلیم و تربیت کے اثرات کا جائزہ لے کر رہنما اصول مرتب کئے گئے پھر تعلیم و تربیت کے میدان میں اس کی عملی تنفیذ و تطبیق کر کے کہیں زیادہ اطمینان بخش نتائج حاصل کئے گئے۔

اس وقت ہمارے مدارس سے یہ عام شکایت ہے کہ جس مقصد کے لئے والدین اپنے بچوں کو عصری درسگاہوں میں نہ بھیج کر عربی مدارس میں بھیجتے ہیں اور انھیں اپنے بچوں سے جیسی علمی صلاحیت و استعداد مطلوب ہوتی ہے اس کا حصول تو دور کی بات ہے بچوں میں نئی عادتیں پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ نہ صرف مدارس اور ان کے مربیوں کے لئے مسئلہ بن جاتے ہیں بلکہ والدین بھی اپنے بچے کی دینی و اخلاقی تربیت کے بارے میں فکرمند ہو جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں عموماً جو دشواریاں مربیوں کو پیش آتی ہیں وہ اس قسم کی ہوتی ہیں، درجات سے غیر حاضری، مطالعہ و درس سے بے توجہی، فحش ناول اور رسائل سے دلچسپی، عام جسمانی صحت کا فقدان، اور آخر میں امتحانات سے متوقع نتائج سے مایوسی۔ بالفرض اگر طالب علم فارغ ہو کر نکل بھی جائے تو معاشرہ کی طرف سے ان فارغین کی بے عملی کا شکوہ جاری رہتا ہے۔

اس آخری نقطہ کے بارے میں مدارس یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ ہم اس کے ذمہ دار نہیں۔ اگرچہ یہ بے عملی مدرسہ ہی کی تربیت کا دین ہے لیکن ہم ان مشکلات کے بارے میں کیا عذر پیش کر سکتے ہیں جو ہمارے مدارس کی چہار دیواری کے اندر پیش آتے ہیں اور جو کبھی کبھی اتنے سنگین ہو جاتے ہیں کہ اسٹرائک کی شکل میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔

ان مسائل سے عہدہ برآ ہونے کے لئے نظام تعلیم و تربیت میں بنیادی تبدیلیوں کی ضرورت ہے اور یہ اس طرح ہو سکتی ہے کہ سب سے پہلے ہم تدریس کے لئے ہر معیار کے ایسے مدرسین تیار کریں جو جدید تعلیم و تربیت کے اصولوں اور تدریس کے نفسیاتی قواعد سے واقف ہوں۔ ۶ سال سے ۸ سال تک کے بچوں کی نفسیات کیا ہوتی ہیں، ان کی عقلی و جسمانی صلاحیت کا معیار کیا ہے، ان کو تعلیم کا شوق کیسے دلایا جائے، ان کی ضروریات کی تکمیل کس طرح کی جائے، کیا اس مرحلہ میں بچے کو سزا دینا ضروری ہے، ہم کس طرح اس کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں کہ بچے کی عقلی و جسمانی نشوونما میں مدد ملے، نہ کہ پہلے ہی مرحلہ میں اس کے ساتھ ایسا سلوک کریں جس سے وہ ہمیشہ کے لئے تعلیم سے متنفر ہو جائے۔ اسی طرح ۸ سال سے لے کر مراہقت تک کے مختلف ادوار کو کیسے نبھائیں۔ پھر مراہقت کے نازک دور میں جو آتش و بیخ کا د[illegible] ہوتا ہے ہم کس طرح اس نازک فرض کو ادا کریں۔ اس مرحلہ میں ذرا سی چوک سے بڑے بھیانک مسائل پیدا ہو جاتے ہیں اور طالب علم سنگین بحران میں مبتلا ہو جاتا ہے، اگر وہ اس سے صحیح و سالم نکل آیا تو ٹھیک ورنہ معاشرہ کو بہت سے غیر معمولی سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے ایسے مربی ہوں جو علم نفسیات سے

(بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

جدید انقلاب کی سرزمین

ایران

میں ایک ہفتہ

دوسری اور آخری قسط

مولانا ابوالعرفان خاں ندوی۔ صدر شعبۂ دینیات دارالعلوم ندوۃ العلماء

۹ فروری سنیچر کو مشہد کی زیارت کا پروگرام تھا، تہران سے مشہد گیارہ سو کلومیٹر ہے، ہم لوگ صبح بغیر ناشتہ کئے ہوئے بسوں کے ذریعہ مہرآباد ہوائی اڈے پہونچے اور بس پندرہ منٹ کے بعد ہوائی جہاز میں داخل ہوئے، تین چار ہوائی جہازوں میں تمام مہمان اور میزبانی کے فرائض انجام دینے والے حضرات مشہد کے لئے روانہ ہو گئے، یہ سب جہاز ایرانی ایرفورس کے تھے، جہاز ہی میں ناشتہ ہوا اور ۵۵ منٹ میں یکے بعد دیگرے سارے جہاز مشہد ایرپورٹ پر آکر کھڑے ہو گئے، ہوائی اڈے سے نکل کر ہم لوگ بسوں کے ذریعہ حضرت امام علی الرضاء کے مزار پر پہونچا دیئے گئے، طویل و عریض سلسلۂ عمارات امام علی الرضاء رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے جہاں ہم لوگوں کو مزار پر فاتحہ خوانی کا موقع ملا۔

امام علی الرضاء رحمۃ اللہ علیہ اثنا عشری شیعوں کے نزدیک آٹھویں امام ہیں وہ امام محمد موسیٰ کاظم کے صاحبزادے ہیں اور امام جعفر صادق کے پوتے ہیں، اس لئے ایران میں شیعہ حضرات کا بہت مرکز ہے ان کے نزدیک مشہد سے زیادہ متبرک اور مقدس کوئی اور جگہ نہیں ہے، مشہد کا اصل قدیم نام طوس ہے۔ یہیں ہارون الرشید کا بھی مزار ہے اور بقول ابن خلکان، امام علی الرضاء کے مزار سے ملا ہوا ہے۔ ہارون الرشید کا انتقال سنہ ۱۹۳ھ کے لگ بھگ ہوا ہے اور ان کے انتقال کے دس برس بعد سنہ ۲۰۳ھ میں امام موصوف کا یہاں انتقال ہوا ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہارون الرشید کے انتقال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق "امین" خلیفہ ہوا اور مامون اس کا ولی عہد ہوا، لیکن مامون کو عباسی سلطنت کا مشرقی حصہ خراسان، ماوراء النہر اور فارس کے علاقہ پر حکمرانی کا حق دیا گیا اور مامون نے اپنا مرکز خراسان کے شہر مرو کو بنایا، یہ شہر مرو اب روسی عملداری میں ہے لیکن امین و مامون دونوں بھائیوں میں زیادہ دنوں تک اتفاق قائم نہیں رہا اور چار سال کچھ ماہ مامون کے جنرل نے بغداد پر جو مرکز خلافت اور امین کا مستقر تھا قبضہ کر لیا اور امین کو قتل کر دیا گیا اس کے بعد مامون پوری اسلامی مملکت کا خلیفہ ہو گیا لیکن مامون نے اپنا سابق مستقر مرو نہیں چھوڑا۔

عباسی خلافت کے قیام کے بعد ہی سے بنی عباس اور بنی فاطمہ میں استحقاق خلافت کے مسئلہ میں اختلافات شروع ہو گئے اور وقتاً فوقتاً جنگ و جدال اور خروج کی بھی نوبت آتی رہی، ہارون الرشید کے عہد میں بھی بعض سادات خروج و بغاوت کے الزام میں گرفتار ہوتے رہے، مامون نے خلافت سنبھالنے کے بعد ان اختلافات کو ختم کرنے کی کوشش کی اور بنی فاطمہ میں سے امام علی الرضاء کو اپنا ولی عہد بنا کر اسلامی خلافت کو سادات کی طرف منتقل کرنا چاہا، لیکن بغداد میں عباسی خانوادہ کو یہ بات ناگوار گزری اور انہوں نے مامون کے خلاف بغاوت کر کے مامون کے چچا ابراہیم بن مہدی کو اپنا خلیفہ بنا لیا۔ مامون کے درباری امراء نے اس واقعہ کی اطلاع مامون کو نہیں دی اور اندر ہی اندر یہ کوشش کی کہ یہ بغاوت مامون کے علم میں لائے بغیر ختم کر دی جائے لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئے۔

امام علی الرضاء کو (جو خلیفہ مامون ہی کے ساتھ مرو میں مقیم تھے) بغداد میں مامون کے خلاف بغاوت کا علم ہوا، اور انہوں نے درباری امراء و وزراء کی پرواہ کئے بغیر مامون کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا اور یہ بھی بتلایا کہ ساری بغاوت کا راز میری ولی عہدی ہے، پہلے تو مامون کے امراء و وزراء نے انکار کیا اور بتایا کہ بغداد میں ہر طرح امن و امان ہے لیکن سچ کے آگے جھوٹ کہاں تک چل سکتا ہے، مامون کو اصل حقیقت کا پتہ چل گیا جس کے بعد اس نے مرو سے بغداد کا قصد کیا امام علی الرضاء بھی ساتھ تھے طوس پہونچکر امام موصوف کا انتقال ہو گیا۔ اس اچانک وفات پر مامون کو بہت صدمہ ہوا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مامون کے درباریوں میں سے کسی نے ان کو زہر دیدیا اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بغداد میں بغاوت کی وجہ سے مامون نے امام علی الرضاء سے گلو خلاصی چاہی اور اس کے اشارے سے ان کو زہر دیا گیا۔ بہرحال اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ امام موصوف کا انتقال طبعی موت سے ہوا یا زہر خورانی سے۔ اور زہر خورانی کا اصل ذمہ دار کون ہے، مامون نے اپنے والد ہارون الرشید کے مزار سے ملحق ان کو دفن کیا اور امام موصوف کے اسی مزار کی نسبت سے اب طوس کو مشہد کہا جانے لگا، نام کی یہ تبدیلی چھ سات صدی کے بعد ہوئی ہے، لیکن اب ہارون الرشید کے مزار کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے، ایران میں شیعیت کے اثر و نفوذ کی وجہ سے یہ ممکن بھی نہیں تھا کیونکہ ہارون الرشید کا طرز عمل بنی فاطمہ کے ساتھ ہمدردانہ نہیں تھا۔ اسی طوس میں امام غزالیؒ کا بھی مزار ہے اور یہیں فارسی کے مشہور شاعر فردوسی کا بھی مزار ہے جس کا شاہنامہ 'ایران' ایران کی زندہ جاوید تاریخ ہے، خاندان سلاجقہ کا مشہور وزیر اعظم نظام الملک اسی طوس کا باشندہ تھا اور ہلاکو کا درباری محقق طوسی جو علوم عقلیہ میں درجہ حذاقت و مہارت پر فائز ہے اسی طوس کا باشندہ تھا اس لئے اس شہر کو علماء و فضلاء کا مسکن اور مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے

اس کے علاوہ یہ شہر اسلامی تہذیب و ثقافت کا مرکز رہ چکا ہے اور تاریخ اسلامی کے بہت سے اہم واقعات کا تعلق اس شہر سے ہے، خراسان کا یہ دروازہ ہے اور کسی زمانہ میں خراسان سے مراد، مرو، طوس، نیساپور اور افغانستان کے کچھ حصے ہوا کرتے تھے، خود اس شہر کی عظمت کے لئے یہ بات کیا کم ہے کہ خاندان نبوت کا ایک گوہر تابندہ یہاں مدفون ہے۔

دن بھر اسی شہر اور روضہ کے طویل و عریض سلسلۂ عمارات کے مختلف حصوں میں گذرا، اور اس مدت میں ذہن ایک ہزار سال پہلے کی اسلامی تاریخ کی طرف برابر متوجہ رہا، خراسان کی فتح کے لئے اسی شہر سے غازیوں کا قافلہ شمال مشرق کی طرف بڑھا ہوگا، قتیبہ بن مسلم باہلی کی سرکردگی میں غازیوں اور مجاہدین نے اسی شہر میں قیام کیا ہوگا، ہارون الرشید بھی اسی شہر سے گذرا ہوگا اور واپسی میں یہیں اس کا انتقال بھی ہوا، مامون الرشید اپنے جاہ و حشم کے ساتھ اس شہر میں بغداد جاتے ہوئے اترا، کسی زمانہ میں امام غزالیؒ اس شہر کی آبرو رہ چکے ہیں، اور یہی وہ شہر ہے جہاں فردوسی شاعر کا قیام تھا، یہ سب تاریخی واقعات و تفصیلات دماغ میں گردش کر رہے تھے اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ اور اسلام کے جاہ و جلال کا ماضی یاد آرہا تھا، مشہد (سابق طوس، نیشاپور اور اصفہان) یہ علاقے تو آج بھی مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں، اور اب ایک اسلامی مملکت کا حصہ ہیں، لیکن افسوس اسی علاقہ کا مشرقی حصہ جو کسی زمانہ میں ماوراء النہر اور خراسان کہا جاتا تھا اور خراسان کا مرکزی شہر مرو (جس کا ذکر اوپر گذر چکا) آج ایک خدا بیزار و خدا ناشناس قوم کے قبضۂ اقتدار اور تصرف میں ہے۔

دوپہر کا کھانا ہم لوگوں نے اسی زیارت گاہ کے مہمان سرائے میں کھایا، اس مہمان سرائے کا قاعدہ یہ ہے کہ ہر زائر اس کا ایک وقت مہمان ہوتا ہے جہاں اس کو انتہائی پرلطف کھانا کھلایا جاتا ہے، اور یہ معاملہ بغیر کسی تخصیص کے ہر زائر کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس مہمان سرائے میں داخل ہوتے وقت یہ گمان ہوتا ہے کہ کوئی (Five Star) ہوٹل ہے رات کے کھانے کا بھی اسی مہمان سرائے میں انتظام

تھا، اس وقت ہم پاکستان کے مشہور لیڈر مفتی محمود صاحب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے منتظمین طلباء سے کہا کہ مفتی صاحب کے پیر میں تکلیف ہے، ان کے لئے اتنا فاصلہ طے کرنا مشکل ہے اس لئے ان کا اور افضل چیمہ صاحب اور میرا کھانا یہیں زیارت گاہ میں پہنچا دیا جائے، چنانچہ تھوڑی دیر بعد تین کھانے بہت تہذیب وشائستگی کے ساتھ لائے گئے، اور ہم تینوں نے ایک ساتھ زیارت گاہ کے ایک ہال میں بیٹھ کر کھانا کھایا اس کے بعد قریب کے ہوٹل میں ہم لوگوں کے لئے رات میں سونے کا انتظام تھا لہٰذا وہاں چلے گئے۔

اب ۱۰ تاریخ ہو گئی صبح ۸ بجے واپسی کا پروگرام تھا اس لئے بہت سویرے اٹھ کر نماز سے فراغت کے بعد بسوں میں بیٹھ کر ہوائی اڈے پہنچے، جہاز تیار تھا، جہاز فوراً ہم لوگوں کے بیٹھتے ہی روانہ ہو گیا، موسم کی خرابی کی وجہ سے ہمارا جہاز پون گھنٹہ تک ہوائی اڈے پر چکر کاٹتا رہا جب فضا صاف ہوئی تو ۱۱ بجے کے قریب ہوائی جہاز اترا اور ہم لوگ بخیریت ہوٹل پہنچے۔

۱۰ تاریخ کو اور ۱۲ بجے دن تک ہم لوگ مشہد سے واپس ہو کر ہوٹل پہنچے شام کو ساڑھے چار بجے تقریر کا پروگرام تھا عام طور پر تقریروں میں وہی باتیں کہی گئیں جو اب تک تقریروں کے پروگراموں میں کہی جاتی رہی ہیں، البتہ مقررین بدلتے رہے اور زبان وانداز بھی بدلتا رہا۔

۱۱ فروری دوشنبہ۔ آج ایران کے انقلاب کی سال گرہ کا دن ہے آج صبح کے پروگرام میں فوجی پریڈ اور جلوس کا مظاہرہ تھا چونکہ آج صبح ہی سے موسم ابر آلود اور وقفہ وقفہ سے پانی برس رہا تھا اور تیز ہوائیں بھی چل رہی تھیں اس طرح کے مناظر کا دیکھنا بہت کٹھن اور صبر آزما ہوتا ہے اور اژدحام بھی بہت ہوتا ہے اس لئے میں صبح کے پروگرام میں شریک نہیں ہوا، بعد میں ہم نے دیکھا کہ بہت سے حضرات ہوٹل ہی میں مقیم ہیں، اور پروگرام میں شریک نہیں ہوئے ہیں، ایک حادثہ بھی پیش آیا کہ جو حصہ مہمانوں کے بیٹھنے کے لئے بلندی پر بنایا گیا تھا ہجوم کی کثرت کی وجہ سے اس کے ستون ٹوٹ گئے اور سارا مجمع زمین پر گر گیا، اس میں ایک ایرانی محافظ دستے کے نوجوان کی موت ہو گئی، نیز ایک ایرانی نوجوان شدید طور پر زخمی ہو گیا، مہمانوں میں سے بعض کے چوٹ آئی ایرانی حکومت نے یہ بڑی سمجھداری کی بات کی کہ فوراً "ریڈیو" کے فارن سروس (FOREGN SERVICE SEX-TION) کے ذریعہ اس واقعہ کی اطلاع اور مہمانوں کی خیریت وسلامتی کی خبر نشر کر دی۔

آج شام کا پروگرام آخری پروگرام تھا یعنی اب کل ۱۲ فروری سے مہمانوں کی روانگی شروع ہو جائے گی۔ یہ پروگرام یونیورسٹی میں رکھا گیا، یہاں بھی تقریریں ہوئیں اور آخر میں سات آٹھ تجاویز منظور ہوئیں۔

بعد میں یہیں یونیورسٹی میں کھانا بھی ہوا۔ یہ کھانا جو اس تقریب کا آخری کھانا تھا روزمرہ ہوٹل کے کھانے سے بہت مختلف تھا "بوفے" تھا جس میں میز پر کھانے رکھ دیئے جاتے ہیں اور کھانے والے اپنے ہاتھ سے پلیٹیں اٹھا کر اپنی خواہش کے مطابق کھانا پلیٹ میں نکال کر بالعموم کھڑے ہو کر اور کچھ لوگ مختلف جگہوں پر بچھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ کر کھاتے ہیں اس کھانے میں مرغ پلاؤ تھا جس میں مرغ کا گوشت بہت افراط کے ساتھ تھا، پلاؤ میں خشک میوے، بادام اور پستہ وغیرہ بہت کثرت سے تھے، مالٹا اور میٹھے کا بھی انتظام تھا، تقریباً دس گیارہ بجے رات میں اس پروگرام اور کھانے سے فراغت کے بعد ہم لوگ ہوٹل واپس آ گئے۔ اور اس طرح ایران کے اسلامی انقلاب اور پندرہویں صدی ہجری کی آمد کا یہ آٹھ روزہ جشن خیر وخوبی کے ساتھ ختم ہو گیا۔

۱۲ فروری کو ایرانی وقت کے حساب سے ۴ بجے سہ پہر میں اور ہندوستانی وقت کے حساب سے ۶ بجے مغرب کے وقت ایر انڈیا (Air India) کے جہاز سے دہلی کے لئے روانہ ہوئے اور ہندوستانی وقت سے ۹½ بجے رات میں پالم ہوائی اڈے پہونچ گئے، دو دن دہلی میں قیام کے بعد ۱۵ فروری کو گیارہ بجے رات میں ۱۳ دن کے بعد بخیریت ندوے پہونچ گئے۔

شکر کہ جازہ بمنزل رسید
زورق امید بساحل رسید

کسی بڑے اور بین الاقوامی سفر سے واپسی کے بعد عام طور پر احباب اور اہل تعلق جس ملک سے واپسی ہوتی ہے اس کے حالات وکوائف اور جس مقصد سے سفر ہوتا ہے اس کے متعلق آنیوالے کے احساس وتاثرات دریافت کرتے ہیں، اس لئے کچھ اس سفر سے متعلق باتیں درج ذیل ہیں۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ کسی ملک میں چار چھ دن قیام اور کچھ مخصوص شہروں اور علاقوں سے مرور سے کسی ملک کے حالات، شہریوں کے عادات واطوار اور ان کے رہن سہن کے طریقہ اور آداب معاشرت کا جاننا بہت مشکل ہے، پھر کانفرنسوں اور اجتماعات کے مشاغل، منضبط پروگرام میں شرکت اور فرصت کے اوقات میں ہوٹل میں قیام اس بات کا موقع نہیں دیتے ہیں کہ اس شہر اور ملک اور اس کے باشندوں سے مل جل کر اور تبادلۂ خیال کر کے صحیح معلومات حاصل کی جائیں۔ آٹھ دن ایران کے زمانۂ قیام میں جو کچھ میری آنکھوں نے دیکھا اور میزبان ایرانیوں سے گفتگو وملاقات کے بعد جو احساسات وتاثرات میں نے قبول کئے وہ یہ ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ میرے علم ومشاہدے میں صرف بعض گوشے آئے اور میں نے اس کو ایک کلیہ سمجھ لیا ہو۔

ایران کا دارالسلطنت تہران جہاں ہمارا قیام تھا بڑا اور بین الاقوامی شہر ہے، سڑکیں کشادہ، صاف، آباد اور پُر رونق ہیں، سڑکوں کے دونوں طرف مکانات ودکانوں اور عمارات کا سلسلہ ہے، بمبئی کی طرح یہ عمارات چار، چھ، آٹھ، دس منزلہ تک ہیں اور جدید طرز کی بنی ہوئی ہیں۔

تہران بہت پھیلا ہوا شہر ہے اور اس کے ہر حصہ میں مکانات اور دوکانوں کا انداز یکساں ہے، موٹروں کی کثرت ہے، کہا جاتا ہے کہ تہران میں پچاس لاکھ کی آبادی ہے اور دس لاکھ موٹریں ہیں یعنی پانچ نفر پر ایک گاڑی ہے، علاوہ سٹی بسوں اور سرکاری ٹرانک (TRAFFIC) کے جب صبح کے وقت ہم لوگ کسی پروگرام میں بس کے ذریعہ باہر جاتے تو طویل ووسیع سڑکوں پر دونوں طرف پرائیوٹ کاریں بڑی دور تک کھڑی نظر آتی تھیں، یہی حال چھوٹی سڑکوں پر بھی نظر آتا تھا کہ حدِ نظر تک سڑکوں کے دونوں طرف پرائیوٹ گاڑیاں جن کے مالکوں کے مکانات اور فلیٹ (FLET) قریب ہی ہوں گے کھڑی رہتی تھیں۔

صبح آٹھ نو بجے سے تہران میں چہل پہل شروع ہو جاتی ہے دفاتر اور اسکول وکالج بھی اسی وقت کھلتے ہیں، اور سڑکوں پر کاریں دوڑنے لگتی ہیں، پوری سڑک کاروں سے بھر جاتی ہے، ایک ایک ساتھ چار چار پانچ پانچ گاڑیاں چلتی ہیں اور یہی حال سڑک کی دوسری سمت (SIDE) کا بھی ہوتا ہے کہ ان میں بھی چار چار پانچ پانچ گاڑیاں ایک ساتھ چلتی ہیں، کاروں کی یہ کثرت تہران میں خاص طور پر دیکھنے میں آئی۔

ایران کا تعلق انقلاب سے پہلے تک امریکہ سے بہت گہرا تھا اس لئے امریکی معاشرت اور مغربی تہذیب کا اثر بہت نمایاں ہے، عورتوں اور مردوں کا لباس بالعموم مغربی ہے لیکن اسکے ساتھ ہی برقعہ بھی کثرت سے استعمال ہوتا ہے، برقعہ بہت بڑا اور دبیز ہوتا ہے، پرانی دہلی کے مسلم علاقوں میں بوڑھی عورتوں کا برقعہ جس انداز کا ہوتا ہے بالکل اسی انداز کے برقعے تہران میں عام ہیں۔

جاڑوں کے زمانہ میں تہران سے لیکر مشہد تک برف باری ہوتی ہے ہمارے سات دن کے قیام میں بھی تہران میں دو بار برفباری ہوئی لیکن سردی کی وہ شدت جو برفباری کے مہینوں میں کشمیر میں ہوتی ہے وہ نہیں ہے، سورج جب نمودار ہوتا ہے تو اس میں حرارت اور گرمی ہوتی ہے۔

کسی ایرانی خاندان میں جانے اور کھانا کھانے کا اتفاق نہیں ہوا کہ وہاں کی تہذیب ومعاشرت کو اور وہاں کے روزمرہ اور عمومی کھانوں کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملتا۔ ~~ہوٹلوں کی~~ ہوٹلوں کی خواہ وہ دنیا کے کسی ممالک میں ہوں ایک مشترک تہذیب ومعاشرت ہے اور ہمیں اسی سے سابقہ پڑا، ہوٹل میں ہمیں جو کھانا ملتا تھا وہ منتظمین کی طرف سے تمام مندوبین کے لئے یکساں ہوتا اور انھیں اجتماعی کھانا کھلایا جاتا تھا اس میں مخصوص قسم کی ڈبل روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہوتے تھے، سلاد بہت کثرت سے ہوتی تھی،

جس میں ٹماٹر، گاجر، مولی، پیاز اور سلاد کی پتیاں ہوتی تھیں، سوپ کے نام سے بھی الگ الگ پیالوں میں کبھی دال اور کبھی نشاستہ کی بنی ہوئی سیال چیز آتی تھی، اس کے بعد الگ الگ پلیٹوں میں مخصوص مقدار میں ایران کی قومی ڈش چلو کباب آتی تھی، اسکی حقیقت یہ ہے کہ اچھے قسم کا سادہ ابلا چاول ہوتا ہے اور چاولوں کے نیچے کباب کے چند ٹکڑے اور مکھن کی ایک ٹکیہ ہوتی ہے۔ چلو کباب ایرانیوں کا قومی کھانا ہے۔ تہران کی شاہراہوں پر ریستوران اور ہوٹلوں کے بورڈ پر چلو کباب ضرور لکھا ہوتا ہے۔ چلو سے مراد چاول اور کباب سے مراد سیخ کباب ہے، یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح ہندوستان میں مٹر پلاؤ، قورمہ پلاؤ، اور مرغ پلاؤ بولا جاتا ہے، اردو میں چلو کباب کو سیخ کباب کہیں گے۔ چلو کباب کے بجائے کبھی کبھی پلیٹ میں گوشت کا ابلا ہوا ٹکڑا اور اس پر ٹماٹر کی چٹنی پڑی ہوئی اور کچھ آلو کے ابلے ہوئے ٹکڑے ہوتے تھے۔

ناشتہ میں ڈبل روٹی کے ٹکڑے اور پنیر مکھن، شہد اور چائے یا کافی ہوتی تھی البتہ ناشتہ میں ہر شخص کے لئے ایک گلاس ٹماٹر کا رس اور ایک گلاس مالٹا یا اناس کا رس ہوتا تھا، کبھی کبھی ناشتہ میں ابلا انڈا بھی ہوا کرتا تھا، کھانے اور ناشتہ میں مالٹا، سنگترا اور سیب میں سے کوئی چیز ضرور ہوتی تھی

ایران میں چائے میں دودھ کا رواج نہیں ہے ہم لوگوں کی رعایت سے صبح ناشتہ میں چائے کے ساتھ دودھ کا بھی اہتمام ہوتا تھا، شام کی چائے جو بالعموم ہوٹل سے باہر کسی جلسہ گاہ میں ہوتی تھی اس میں دودھ نہیں ہوتا تھا۔ ۱۱ فروری کو رات کا کھانا بعد اختتام جلسہ یونیورسٹی میں کھایا گیا وہ ہوٹل کے کھانے سے مختلف تھا جس کی تفصیل گذر چکی۔ "قم" میں دوپہر کا کھانا کھایا گیا، چلو کباب اپنی کمیت وکیفیت میں زیادہ تھا اور ٹھنڈی بوتل بھی تھی۔ مشہد میں بھی کھانے کا انداز اور قسم یہی تھی، البتہ کیفیت وکمیت میں فرق تھا، مشہد میں چلو کباب کے ساتھ انڈا بھی آیا تھا جو توڑ کر گرم چاول میں ڈال لیا جاتا ہے۔

ہماری ہر وقت کی میزبانی اور رہنمائی ومدد کے لئے جو نوجوان ہوٹلوں، بسوں اور جلسہ گاہوں میں ساتھ رہتے تھے اس میں زیادہ تر اسکولوں اور یونیورسٹیوں کے طلباء اور کچھ تعلیم یافتہ شہری نوجوان تھے جو ہر وقت ہم لوگوں کی فکر رکھتے تھے۔

انقلاب کے بعد نوجوانوں کے چہروں پر داڑھیاں نظر آنے لگی ہیں جن کا شاید پہلے ایران میں کم رواج تھا اور صرف دینی حلقوں کے ساتھ مخصوص تھا۔

ایران میں گرانی بہت شدید ہے، اشیاء کے نرخ بہت زیادہ ہیں، گوشت ۶۰ روپے کیلو ہے۔ کھانے کا تیل بھی گراں اور کمیاب ہے۔ پاکستانی افضل چیمہ صاحب کا جوتا مشہد میں گم ہو گیا، تہران واپسی پر انہوں نے نیا جوتا خریدا جس کی قیمت "بیس" تومان (ایرانی روپیہ) یعنی دو سو ہندوستانی روپئے تھی۔ ہندوستان میں وہ جوتا اسّی نوّے تک باسانی مل سکتا ہے۔

وہاں کے سکے کا نام تومان ہے اور ہر وقت کے استعمال کے لئے ریال ہے، ایرانی ریال ہندوستانی دس پیسے کے برابر ہے اور دس ریال کا ایک تومان ہوتا ہے، خرید وفروخت کے لئے عام طور پر ریال ہی سے حساب کیا جاتا ہے مثلاً اگر کوئی چیز دس تومان کی ہے تو بجائے دس تومان کہنے کے وہ سو ریال کہیں گے اسی طرح پانچسو ریال، چھ سو ریال بولتے ہیں۔

ایران کا یہ انقلاب جس کی پہلی سالگرہ ۱۱ فروری سے ۱۱ فروری تک تہران میں منائی گئی اپنی نوعیت کے اعتبار سے ان تمام انقلابات سے مختلف ہے جو بیسویں صدی میں اسلامی ممالک میں وقتاً فوقتاً رونما ہوتے رہے ہیں۔

بغیر فوج اور بیرونی طاقت کی مدد کے ایرانی عوام نے اپنی قوت بازو کے بل بوتے پر یہ انقلاب برپا کیا اس انقلاب میں ۶۰ ہزار ایرانی عوام کی جانیں ضائع ہوئی ہیں اور ایک لاکھ سے زائد ایرانی عوام معذور اور اپاہج ہوئے ہیں۔

محمد رضا شاہ پہلوی نے اپنے خلاف اس انقلاب کو بری طرح کچلنے اور دبانے کی کوشش کی اور اپنے فوجی اور جاسوسی نظام کے سہارے عوام کو اس سے روکنا چاہا لیکن وہ ناکام رہے اور بالآخر ان کو ملک چھوڑنا پڑا۔

دراصل ایران میں شاہ سے بیزاری اور نفرت کی لہر عرصہ سے موجود تھی لیکن شاہ نے اس کو برابر دبانے کی کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ لہر تیز سے تیز تر ہوتی گئی بالآخر شاہ کے خلاف ایرانی عوام کی جدوجہد اور قربانیاں کامیاب ہوئیں اور ایران سے شاہی دور کا خاتمہ ہو گیا۔ ایک منظم حکومت کے خلاف جس کی مدد ایک عالمی طاقت بھی کر رہی تھی ایرانی عوام کا فتح یاب ہونا یہ حیرت اور تعجب کی بات ہے، اگر اس انقلاب کے بعد ایران اپنے لئے مغربی طرز کا کوئی جمہوری نظام پسند کرتا جب بھی یہ ایک تاریخی واقعہ ہوتا، لیکن ایرانی عوام اور انقلاب کے رہنماؤں کی دور اندیشی اور تدبر کی بات ہے کہ انہوں نے شاہ کے خلاف اپنی فتح ونصرت کے بعد ایران میں اسلامی نظام حکومت کے قیام کا اعلان کیا۔

ایران کے بچے بچے کی زبان پر یہ اعلان ہے کہ ہمارا یہ انقلاب نہ شرقی ہے نہ غربی، بلکہ یہ خالص اسلامی انقلاب ہے، ایرانی عوام نے ووٹوں کے ذریعہ یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ ملک آئندہ سے ایک اسلامی مملکت ہوگا اور یہاں کا نظام حکومت خالص اسلامی اور شرعی ہوگا، انقلاب کے ایک سال گذرنے کے بعد کی جو بات متفق علیہ اور یقینی ہے وہ یہ فیصلہ ہے کہ آئندہ ایران میں اسلامی حکومت رہیگی، کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم ان کے اس اعلان کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھیں اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم ان کے اس اعلان کے بارے میں فی الحال سے اپنے کو بدگمانی میں مبتلا کریں۔ ایک قوم جس نے اپنی جدوجہد سے شاہ سے نجات حاصل کی ہے اور پوری صفائی کے ساتھ اپنے اس انقلاب کو اسلامی اور اپنی حکومت کو اسلامی حکومت کہہ رہی ہے، اس لئے ہمیں اس پر یقین کرنا چاہئے اور اس بات کی توقع رکھنا چاہئے کہ اسلامی حکومت کے جو تقاضے اور واجبات ہیں وہ بتدریج سامنے آئیں گے۔

ملک کا دستور مکمل ہو چکا ہے صدر کا انتخاب بھی ہو چکا ہے عنقریب ماہ مارچ اور اپریل میں پارلیمنٹ کے اراکین کا انتخاب بھی ہوگا اور نئی پارلیمنٹ کی اسلامی دستور کے مطابق تشکیل ہوگی اور پھر اس وقت یہ نئی اسلامی مملکت اپنے استحکام اور ترقی کی طرف قدم اٹھائے گی، بغیر کسی آئین اور بغیر کسی قانونی سربراہ کے تقریباً ایک سال تک ایرانی عوام نے امام خمینی کی سرپرستی اور رہنمائی میں جس طرح اس انقلاب کو کامیابی کے ساتھ ہمکنار کیا ہے وہ ایرانی قوم کے تدبر اور دور اندیشی کی واضح دلیل ہے۔

ایرانی دستور میں اس بات کی صراحت ہے کہ ایران کی حکومت اسلامی حکومت ہوگی اور فقہ جعفری پر عمل ہوگا، مملکت کے حصہ میں ان تمام لوگوں کو جو دوسرے فقہ پر عمل کرتے ہیں مکمل آزادی ہوگی اور وہ اپنی فقہ کے مطابق عمل کریں گے اور یہ فطری بات بھی ہے جب ایرانی عوام کی اکثریت اثنا عشری عقیدے کی ہے تو لازماً فقہ جعفری کا سرکاری طور پر چلن ہوگا۔ دستور میں اس بات کی بھی صراحت ہے کہ اس اسلامی حکومت کی اساس کتاب اللہ اور سنت معصومین ہے۔

شیعہ حضرات کے یہاں جو مرتب مذہبی نظام ہے اور مجتہدین علماء دین کی جو منزلت واہمیت ان کے یہاں ہے وہ اہل سنت والجماعت کے یہاں نہیں ہے، خمس اور زکوٰۃ کی رقمیں باقاعدہ مذہبی پیشواؤں کے پاس جمع ہوتی ہیں اور وہ ان کو اپنی صواب دید سے جہاں چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں، اسی طرح آیت اللہ العظمیٰ اور عالم کے درجات بھی ان کے یہاں کے مذہبی پیشواؤں میں ہوتے ہیں اور اسی بنیاد پر مراجع تقلید حضرات کی تعیین ہوتی ہے شیعی عوام پر ان کے مذہبی پیشواؤں کی گرفت منظم اور مضبوط ہے، شاہ کے خلاف انقلاب میں بھی انقلاب کی تحریک وتنظیم میں یہ نظام بہت ہی معین ومفید ثابت ہوا اور آئندہ بھی اسلامی نظام حکومت کے اجراء اور تنفیذ میں یہ نظام بہت ہی معاون ہوگا۔ اس کا امکان بظاہر کم ہے کہ اب ایران کی سیاسی باگ ڈور ایرانی مذہبی پیشواؤں سے نکل کر آزاد خیال تعلیم یافتہ طبقہ کے ہاتھ میں آجائے، سربراہ انقلاب امام خمینی کی موجودگی میں تو اور بھی ممکن نہیں ہے اور ان کی عدم موجودگی میں علماء کی ایک مجلس کا قیام عمل میں آئیگا جو صدر اس کے وزراء اور پارلیمنٹ کی نگرانی میں ہوگی اور ملک کی انتظامیہ رخنہ اس مجلس کے سامنے جوابدہ ہونگے۔ مجلس مجلس علماء، صدر مملکت اس کے وزراء سے جواب طلب کر سکتی ہے اس لئے امکانات کی توقع رکھی جاتی ہے کہ آئندہ ایران کا نظام حکومت اسلامی رہے گا اور ملک کی باگ ڈور مذہبی علماء اور دینی رہنماؤں کے ہاتھ میں رہے گی۔

ایران کا یہ اسلامی انقلاب وہاں کے

(بقیہ صفحہ ۱۹ پر)

تحریر: سید قطب ترجمہ: رئیس نعمانی

پہلے ایک مکمل اسلامی معاشرہ وجود میں لائیے

ہر اجتماعی نظام، زندگی کے بارے میں اپنا ایک فلسفہ اور انداز نظر رکھتا ہے اور ہر نظام میں کچھ مشکلات اس کو عملی شکل دیتے وقت پیدا ہوا کرتی ہیں، نیز واقعات کی دنیا میں کچھ مسائل اس کے مزاج اور اطوار و آثار سے مناسبت رکھنے والے بھی ہوتے ہیں؟ اور اسی طرح ہر نظام کی اپنی تدبیریں اور حل ہوتے ہیں جن پر وہ مزاج اور طریق کار سے پیدا ہونے والی مشکلات اور مسائل سے نپٹنے کے لئے کاربند ہوتا ہے۔

اس بات کا منطق اور انصاف سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ کسی خاص نظام سے ان مشکلات کے حل کا مطالبہ کیا جائے جو اس کی پیدا کردہ نہ ہوں، بلکہ ان دوسرے نظاموں کی پیداوار ہوں جو اپنے مزاج اور طریق کار کے لحاظ سے اس مخصوص نظام سے یکسر مختلف ہیں۔

صحیح منطق یہ ہے کہ جو شخص کسی خاص نظام زندگی کی مشکلات کے حل کرنے کا تقاضا کرتا ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ پہلے وہ اس پورے نظام کو پورے طور پر پوری عملی زندگی میں نافذ کرے اور پھر یہ دیکھے کہ وہ مشکلات وجود پذیر ہوتی ہیں یا نہیں، یا ان میں کوئی بنیادی تبدیلی آتی ہے یا نہیں۔ صرف اس وقت اس نظام سے ان مشکلات کے حل کا تقاضا کیا جا سکتا ہے جو اس کو عملی زندگی میں برتنے کے دوران پیدا ہوئی ہوں۔

اسلام ایک کامل و مکمل اجتماعی نظام ہے جس کے تمام پہلو ایک دوسرے سے وابستہ اور تمام گوشے باہم مربوط ہیں اور وہ ایسا نظام ہے جو اپنے مزاج اور زندگی کے بارے میں اپنے طرز فکر اور زندگی کے معاملات میں اپنے وسائل کے اعتبار سے تمام مغربی نظاموں اور ان تمام نظاموں سے جو ہمارے ملکوں میں رائج ہیں مختلف ہے، اور ان نظاموں سے نظام اسلام کا یہ اختلاف کلی اور بنیادی ہے۔ اور یہ بات شک سے بالاتر ہے کہ موجودہ انسانی معاشرے کی مشکلات کے پیدا کرنے میں اسلامی نظام کا کوئی حصہ نہیں، یہ مشکلات اسلامی اصول کو کارگاہ حیات سے دور رکھنے کے اور صرف ان نظاموں کے فطری نتائج ہیں جو آج عملی زندگی میں نافذ ہیں۔

یہ کتنی عجیب بات ہے کہ جو مشکلات اور مسائل نہ اسلامی نظام نے پیدا کئے، نہ اسلام کا ان کے وجود پذیر ہونے میں کوئی حصہ ہے، ان کے بارے میں اسلام سے بازپرس کی جاتی ہے، اور جن ملکوں میں اسلامی نظام عملاً نافذ نہیں، وہاں "عورت اور پارلیمنٹ"، "عورت اور کاروبار"، "عورت مرد کا اختلاط"، "جنسی مشکلات" اور ایسے ہی دوسرے مسائل کے متعلق بھی اسلام سے بازپرس ہوتی ہے۔ اور اس سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ بازپرس کرنے والے وہ لوگ ہیں جو نہ صرف زمام حکومت اسلامی نظام کے ہاتھوں میں دینے کو تیار نہیں، بلکہ ان کے لئے یہ تصور بھی تکلیف دہ ہے کہ اسلامی نظام کو حاکمانہ حیثیت بھی حاصل ہو سکتی ہے۔!

اس سے بھی زیادہ قابل تعجب بات یہ ہے کہ جس ملک میں اسلام کو حاکمانہ مقام حاصل نہیں اور عملاً وہاں اسلامی نظام نافذ نہیں، وہاں کچھ اہل دین بھی ان سوالات کے جوابات دینے اور ایسے معاملات میں ایسے مسائل کے حل کے سلسلے میں اسلامی نظریات و احکام کو مورد بحث بنائے ہوئے ہیں۔

عورتیں پارلیمنٹ میں شامل ہوں یا نہ ہوں؟ غیر محرم عورت مرد کا اختلاط جائز ہے یا نہیں؟ عورت کاروبار میں حصہ لے یا نہ لے؟ ... غرض کسی بھی ایسی مشکل کے بارے میں جو موجودہ عملاً نافذ شدہ نظاموں کے اندر آج اس معاشرے میں پیش آتی ہے جس کو اسلامی احکام کی اطاعت قبول نہیں اور جو اسلامی حکومت کو ناپسند کرتا ہو۔ ایسے معاشرے میں ان سوالوں کے جوابات کی ذمہ داری اسلام پر کسی طرح عائد نہیں ہوتی اور اسلام سے ان مسائل کا حل طلب کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں۔

آخر ان مسائل اور ایسے ہی دیگر جزوی مسائل کے متعلق یہ مطالبہ کیوں کیا جاتا ہے کہ وہ اسلامی اصول کے مطابق ہوں، جب کہ اسلام کو حکومت، سیاست، معاشرتی نظم و ضبط، سرکاری قوانین اور زندگی کے تمام دوسرے شعبوں سے بالکل الگ رکھا گیا ہے۔

اسلام "ایک کل" ہے جس کے اجزاء نہیں کئے جا سکتے۔ یا تو تمام اسلامی اصولوں پر عمل کیا جائے گا یا سب کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ یہ طریقہ کہ معمولی، معمولی معاملات میں تو اسلامی نظریات دریافت کئے جائیں اور وہ اہم مسائل جن پر زندگی اور معاشرے کی بنیادوں کی استواری کا انحصار ہے، ان کے مقابلے میں اسلام کو بالکل فراموش کر دیا جائے یہ اتنی گھٹیا درجے کی باتیں ہیں کہ کسی عالم دین کو تو کجا، کسی عام مسلمان کے لئے بھی اس طریق کار کو روا رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔

وہ معاشرے جو اسلام کی رہنمائی کو قبول کرنے اور اسلامی شریعت پر عمل کرنے کو تیار نہیں، ان کے ہر سوال کا جواب صرف یہ ہے کہ:-

"پہلے اسلام کو زندگی کے ہر شعبے میں رہنما بناؤ اور اس کے احکام کو عملاً نافذ کرو۔ اور اس کے بعد جو مشکلات و مسائل پیش آئیں ان کے بارے میں اسلامی نظریات معلوم کرو۔ یہ حق کسی کو بھی حاصل نہیں ہے کہ جو مشکلات کسی مخالف اسلام نظام حیات کے ہاتھوں وجود میں آئیں ان کے حل کی ذمہ داری اسلام پر ڈالی جائے۔

اسلام انسانوں کو ایک خاص طرز پر تربیت دیتا ہے، ان سے ایک خاص قسم کے شرعی قوانین پر عمل کراتا ہے ان کے معاملات اور معمولات کو ایک خاص قسم کی بنیادوں پر ترتیب دیتا ہے اور ان کے لئے ایک خاص قسم کی اجتماعی، اقتصادی اور شعوری و فکری اقدار مہیا کرتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ پہلے آپ نظام حکومت، قوانین سیاست اور آداب تعلیم و تربیت کے اسلامی دستور کو پورے طور پر عملاً نافذ کیجئے اور پھر دیکھئے کہ وہ مشکلات جن کا حل آپ دریافت کرتے ہیں کس طرح خود بخود ختم ہوتی چلی جاتی ہیں۔ لیکن عملی زندگی میں اسلام کو پوری طرح نافذ کرنے سے پہلے ان مشکلات کے حل کا اسلام ذمہ دار نہیں ہو سکتا جو غیر اسلامی نظاموں کی پیدا کردہ ہوں۔ اسلامی معاشرے میں ایسی مشکلات کا وجود ہرگز ممکن نہیں ہے۔

پہلے ایک ایسا اسلامی معاشرہ وجود میں لائیے، جہاں اسلامی اصول شریعت کی حکومت ہو، اور عورتوں اور مردوں کو گھر میں، درسگاہوں اور سوسائٹی میں اسلامی طریقے پر تربیت دیجئے، زندگی کے وہ ذرائع جن کی اسلام کفالت کرتا ہے رائج کیجئے اور وہ انصاف جس کو اسلام ہر ایک کے لئے ضروری قرار دیتا ہے اس کا عملی ثبوت دیجئے پھر اس کے بعد عورتوں سے سوال کیجئے کہ کیا وہ پارلیمنٹ میں شریک ہونے کی خواہشمند ہیں یا اسلام کے اصول اور اس کے فراہم کردہ ذرائع حیات کو ترجیح دیتی ہیں اور پارلیمنٹ میں شمولیت کی کوشش کو غیر ضروری سمجھتی ہیں؟ پھر ان سے دریافت کیجئے کہ کیا وہ دکانوں اور دفتروں میں کام کرنا پسند کرتی ہیں۔؟ بے شک و شبہ وہ اس کو پسند نہیں کریں گی۔ کیونکہ ان کے اندر فطری طور پر ایسے رجحانات مفقود ہوتے ہیں۔ پھر ان سے پوچھئے کہ کیا وہ مردوں کے ساتھ اختلاط اور خود کو سنوار کر تماشاگاہوں کا کھلونا بنانا پسند کرتی ہیں یا ان کی صحیح تربیت ان کو چوپایوں کی طرح اچھل پھاند اور حیوانی شہوتوں کی غلامی سے محفوظ رکھتی ہے اور ان کا شعور و احساس، خدا کا خوف اور فطری حیا کے تقاضے ان کو گمراہی سے دور رکھتے ہیں۔

بعض اوقات کچھ لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ اگر اسلامی قانون نافذ کر دیا جائے تو ہر سال ہزاروں چوروں کے ہاتھ کٹتے ہوئے دکھائی دیں گے۔

یہ لوگ ایک مغالطے میں مبتلا ہیں اور جو لوگ ان کو فقہ اسلامی کی رو سے اس کا جواب دیتے ہیں وہ دوسرے مغالطے کا شکار ہیں۔ اس لئے کہ یہ ہزاروں چور جو ہر سال گرفتار ہوتے ہیں، ان کا وجود نہ تو اسلامی معاشرے کا پیدا کردہ ہے نہ اسلامی نظام کا۔ ان مجرموں کا وجود اس معاشرے کی پیداوار ہے جس نے اسلام کو اپنی زندگیوں سے دور رکھ کر ایک ایسے نظام کو نافذ کر رکھا ہے جس سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں۔ یہ ایک ایسے معاشرے کا کرشمہ ہیں جو لوگوں کی مشکلات کی پروا کئے بغیر ان کی فاقہ کشی اور محتاجی کو روا رکھتا ہے، ایسا معاشرہ جہاں کروڑوں انسانوں کے روٹی کپڑے کی کوئی ضمانت نہیں، جہاں انسانی تربیت کا کوئی انتظام نہیں،

(بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

ہماری تہذیب کے تابندہ نقوش

عالم کی شان

ابو الفضل ندوی

آج عید کا دن ہے قلعہ سے لیکر جامع ازہر تک راستہ لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے، سڑک کے دونوں طرف لوگوں کا بے پناہ ہجوم ہے لوگ کھڑکیوں سے جھانک رہے ہیں، چھتوں پر کھڑے ہیں، سب کاروبار ٹھپ ہیں، قاہرہ کا ایک ایک فرد گھر سے باہر نکل آیا ہے، جگہ جگہ گیٹ بنے ہیں جھنڈوں کے پھریرے اڑ رہے ہیں، مشعلیں جل رہی ہیں، لوگ شوق و خوشی میں سرمست ہیں، سب کے سب سجے سجائے، کھیل تماشوں کی تیاریاں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین قاہرہ خوشی سے ناچ رہی ہے۔ یہی منظر ہے کہ ایک آواز سنائی دیتی ہے شاہ کی سواری آگئی، ہر ایک بے اختیار بول اٹھا شاہ کی سواری آگئی اور پھر سناٹا چھا گیا۔ سر اٹھا اٹھا کر لوگ دیکھنے لگے، نگاہیں ایک سمت کو مرکوز ہو گئیں۔ محافظ دستہ گذرا پھر شاہی سواری گذری اس شان سے گذری کہ چتر شاہی لگا ہوا دائیں بائیں آگے پیچھے سونے کا ٹپکا لگائے، مرصع ٹوپیاں پہنے، ہاتھ میں تلواریں اور تنے ہوئے نیزے لئے ہوئے فوجی سپہ سالاروں کا جھرمٹ ہے ان نیزوں اور تلواروں پر جب سورج کی کرنیں پڑتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نور و روشنی کی لہروں پر چل رہا ہے، بادشاہ کے ساتھ ساتھ یہ پورا ہجوم ازہر تک جاتا ہے، ازہر کا وسیع صحن کھچا کھچ بھر جاتا ہے شاہ سواری سے اترتا ہے سربراہان مملکت آداب بجا لاتے ہیں۔ حاضرین کے سر ادب سے جھک جاتے ہیں۔ رعب و جلال کا کچھ عجب منظر ہوتا ہے۔ لوگ دم سادھے کھڑے ہیں، اس جاہ و جلال کے سامنے کسی کو تاب گفتار کیا ہو سکتی ہے۔؟

ٹھیک اسی عالم میں ایک زوردار آواز گونجتی ہے، ایک شخص بادشاہ کا نام لے کر پکارتا ہے۔ ایوب! (الملک الصالح نجم الدین ایوب)۔ بادشاہ آواز دینے والے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ وہ شیخ عز الدین عبد السلام ہیں۔ شیخ فرماتے ہیں ایوب! قیامت کے دن خدا تم سے جب پوچھے گا کہ ہم نے تم کو مصر کا حاکم بنایا تھا اور تم نے شراب نوشی کی اجازت دی اس پر پابندی نہیں لگائی تو تم کیا جواب دو گے؟

بادشاہ نے پوچھا کیا ایسا ہوا ہے؟ شیخ نے فرمایا ہاں فلاں دکان پر شراب بکتی ہے۔ تمہیں اس کی فکر نہیں، تم حکومت کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہو! اصلاح کی فکر نہیں کرتے!

شیخ زور زور سے یہ باتیں کر رہے تھے سپاہی خاموش تھے مجمع پر سکتہ کا عالم طاری تھا۔

بادشاہ نے جواب دیا کہ یہ میرے والد کے زمانہ سے ہے میں نے نہیں جاری کیا۔ شیخ نے فرمایا کیا تم ان لوگوں میں شامل ہونا چاہتے ہو جنھوں نے یہ کہا کہ "ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسے ہی پایا ہے (انا وجدنا آباءنا کذلک) بالآخر بادشاہ نے اس شراب خانہ کو بند کرا دیا۔

یہ شاہانہ تزک و احتشام ختم ہوا شاہ کی سواری ازہر میں کچھ وقت گذار کر قلعے واپس ہو گئی۔ لوگ اپنے گھروں کو چلے گئے۔

مگر ہر مجلس و محفل میں شیخ کے اس طرز تخاطب اور جرأت رندانہ کا تذکرہ تھا، جب شیخ اپنے مدرسہ واپس ہوئے تو ایک شاگرد نے جو شیخ کو بہت عزیز تھے اور وہ تھے شیخ باجی۔ شیخ سے پوچھا کہ شیخ آپ نے ایسا کیوں کیا؟

اس سوال پر شیخ نے جو کچھ فرمایا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل۔ شیخ نے فرمایا کہ جب میں نے بادشاہ کو اس شان و شوکت کے ساتھ دیکھا تو مجھے اندیشہ ہوا کہ وہ غرور و تکبر میں پڑ کر برباد ہو جائے گا اس کا فوری علاج کرنا چاہیے لہذا میں نے اس طرح اس کے غرور کو توڑا، اور اس کو شر سے بچایا۔ شیخ نے فرمایا، بیٹے! وہ عالم، عالم نہیں ہے جو اپنے کو حکیم کے مانند نہ سمجھے۔ جسمانی مرض جتنا بڑھتا جاتا ہے ڈاکٹر کی ضرورت بھی اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ ایسے ہی بادشاہ کے نفسیاتی مرض کا خطرہ جتنا بڑھتا جائے اتنا ہی عالم کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کی اصلاح و تنبیہ کی فکر کرے۔

شاگرد نے پوچھا نفس کی بیماری کیا ہے؟

شیخ نے فرمایا، بڑائی کا احساس، جو عالم بادشاہ کو اس وقت نصیحت کرے جو اس کے جاہ و جلال کے عروج کا زمانہ ہو، اور غرور نفس کا خطرہ ہو وہ کوتاہی کرتا ہے وہ اس کے حق کو کھول کر بیان کرے تاکہ وہ حق سے دور نہ ہو، بھلائی کی راہیں دکھائے تاکہ وہ اس سے ہٹ نہ جائے، عالم تو وہی ہے جو آج جیسے نازک موقع پر اپنا حق ادا کرے۔

شاگرد نے کہا۔ استاذ محترم! آپ کو بادشاہ کا کچھ خوف نہیں محسوس ہوا۔

شیخ نے فرمایا عزیزم! جب میں نے اللہ کی عظمت و جلال کا تصور کیا تو بادشاہ مجھ کو بلا معلوم ہوا۔

اس واقعہ کو پڑھ کر میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ کیا اس جمہوریت کے دور میں جب کہ گلا پھاڑ پھاڑ کر مساوات و برابری کا اعلان کیا جا رہا ہے کوئی ادنیٰ حاکم بھی اس طرح سے گرفت کو برداشت کرے گا یا جمہوریت کے داعیوں میں سے کوئی اتنا برملا روک ٹوک کی جرأت کر سکے گا اس طرح کہ خود بلند کردار کا مالک ہو؟

جن حضرات کے پیسے آئے تھے ان کو بذریعہ رجسٹری سے بھیجا جا چکا ہے۔

بہترین چائے کا قابل اعتماد مرکز
عباس علاء الدین اینڈ کمپنی
نمبر ۱۴ حاجی بلڈنگ ایس وی ڈی روڈ
مل بازار بمبئی نمبر ۳
TELEGRAM:- CUP, KATTLY
PHONE No. 332220

اسپشل مکچر	کپ برانڈ
اسپشل ممری	گولڈن ڈسٹ
ٹول مکچر	فلاوری اوپی

افغانستان

جیالوں اور غیرتمندوں کی سرزمین

عربی سے تلخیص وترجمہ: حشمت اللہ

افغانیوں کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے کبھی خارجی اثر ورسوخ کو پسند نہیں کیا، یہ وہ مجاہد قوم ہے جس نے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیشہ عزم واستقامت کا ثبوت دیا ہے۔

حساس علاقہ:

افغانستان وسط ایشیا میں واقع ہے۔ اس کے جنوب میں پاکستان، مغرب میں ایران، اور شمال میں سوویت یونین ہے اس لحاظ سے افغانستان مشرق وسطیٰ کے لئے کلیدی حیثیت کا حامل ہے اور اس کا محل وقوع سیاسی اور جنگی حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کا مجموعی رقبہ تقریباً سات ہزار بیس (۷۰۲۰) مربع کیلومیٹر ہے اور آبادی لگ بھگ اسّی لاکھ ہے۔ یہاں کے باشندے مختلف رنگ ونسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ ملک کے طول وعرض میں مختلف قبائل آباد ہیں جن میں سب سے بڑا قبیلہ پختون ہے جس کی آبادی کا تناسب ساٹھ فی صد (۶۰٪) ہے۔ اس قبیلہ کی بود وباش افغانستان کے شمال میں ہندوکش کے پہاڑی سلسلہ سے متصل ہے، اس کا مخصوص پیشہ تجارت اور مویشی پالنا ہے۔ دیگر قبائل میں ترک، بلوچ اور نوری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہر قبیلہ کی ایک مخصوص مقامی زبان ہے لیکن باشندوں کی اکثریت پشتو اور فارسی زبان بولتی ہے، ایک بات یہاں خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ افغانستان میں اگرچہ مختلف رنگ ونسل کے لوگ آباد ہیں لیکن پورے ملک میں مسلمانوں کی تعداد ننانوے فی صد ہے۔

افغانستان اسلام سے پہلے:

افغانستان آریہ قوم کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں سے آریہ کے متعدد قبائل فارس، شمالی عراق، یورپ اور شمالی ہند آئے اور وہاں مستقل رہائش اختیار کرلی، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سکندر اعظم نے افغانستان پر حملہ کر کے اس کو اپنا مرکز بنالیا تھا، اس نے اپنے زمانۂ قیام میں یہاں دو شہر قندھار اور ہرات آباد کئے۔ یونانی اثر ورسوخ یہاں دو سو سال تک رہا۔ اس کے مشرقی ترکستان سے جو ابھی چین کے زیر حکومت ہے کوشان نے اس پر فوج کشی کی اور جب فارس میں ساسانیوں کی حکومت قائم ہوئی تو افغانستان بھی ان کے دائرہ اثر میں آگیا اور وہاں چھوٹے چھوٹے صوبے قائم ہوگئے جو ساسانی فرمانرواؤں کے زیر اقتدار ملکی نظم ونسق پر حاوی تھے اس وقت مذہبی حیثیت سے بدھ مذہب کو مقبولیت حاصل تھی اور وہی ملک کے عام باشندوں کا مذہب تھا، یہی وجہ ہے کہ بامیان آج بھی گوتم بدھ کے عقیدت مندوں کی زیارت گاہ بنا ہوا ہے۔

اسلامی فتح:

افغانستان ۲۲ھ (۶۴۳ء) میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مشہور اسلامی قائد احنف بن قیس کے ذریعہ فتح ہوا۔ انھوں نے سب سے پہلے ہرات پر فوج کشی کی، اس کو فتح کرنے کے بعد بلخ پر حملہ آور ہوئے اور وہاں فارس کے آخری بادشاہ یزدگرد کو شکست دے کر اسلامی شان وشکوہ کا علم بلند کیا، اس وقت افغانستان خراسان کہلاتا تھا، حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد جب فتوحات کا سلسلہ مزید وسیع ہوا تو مملکت اسلامیہ کا سلسلہ کابل، نیشاپور اور بھن تک وسیع ہوگیا اور بنو امیہ کے دور حکومت میں خراسان نے ایک عظیم اسلامی اسٹیٹ کی حیثیت اختیار کرلی۔ سندھ محمد بن قاسم ثقفی کی قیادت میں اسی راستہ سے فتح ہوا۔

عہد عباسی میں افغانستان میں مختلف اسلامی سلطنتیں اور حکومتیں قائم ہوئیں جن میں ایک صفاریوں کی حکومت تھی، اس کے بعد بارہویں صدی عیسوی میں سبکتگین نے غزنوی سلطنت کی داغ بیل ڈالی۔ اس سلسلہ کا سب سے بڑا بادشاہ محمود غزنوی ہوا۔ امیر شکیب ارسلان نے محمود غزنوی کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے کارناموں کو خوب سراہا ہے، وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:-

"سلطان محمود نے کشمیر اور دہلی کو فتح کیا اور لاہور میں اپنے حکمراں متعین کئے۔ پنجاب میں اس نے اپنی حکومت کو مستحکم بنایا، پھر کالنجر پر حملہ آور ہوا اور ہر جگہ بادشاہوں کو ذلت آمیز شکست دی۔ اس نے گجرات کا رخ کیا تو وہاں کے مشہور ومعروف بت سومنات کو مسمار کردیا۔ اس طرح اس نے وہاں اپنی فتح کا ایسا نشان امتیاز قائم کیا کہ دور دور اس کی شہرت ہوگئی اور ہر جگہ اس کی صدائے بازگشت سنائی دینے لگی۔"

محمود غزنوی کے بعد محمد افغانی تخت نشین ہوا۔ اس نے محمود غزنوی ہی کی طرح ہندوستان کو اپنے جہاد کا نشانہ بنایا۔ تانسوار کے معرکہ میں محمد افغانی اور اس کی فوج کا سامنا تین لاکھ شہسوار اور تین ہزار دیو پیکر جنگی ہاتھیوں سے ہوا جن کو بادشاہان ہند نے محمد افغانی کے مقابلہ کے لئے صف آرا کیا تھا، محمد افغانی اور اس کی جانباز فوج نے غیر معمولی شجاعت کا مظاہرہ کیا اور مخالف لشکر کو منتشر کردیا۔

غوریوں کے بعد تیموریوں کا دور حکومت آیا، خانوادۂ تیمور کا مشہور ومعروف بادشاہ ظہیر الدین بابر گذرا ہے جس کا اثر ونفوذ فارس اور ہندوستان دونوں ملکوں تک وسیع تھا، ہندوستان میں اسلامی شہنشاہیت کے قیام کا سہرا بابر ہی کے سر ہے۔

اس مختصر تاریخ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ افغانی مجاہدین کی سرفروشی وجاں بازی کے کارنامے کتنے روشن ہیں۔ ان مجاہدین کی تاریخ گیارہویں صدی عیسوی سے لے کر اٹھارہویں صدی عیسوی تک فتوحات سے لبریز ہے۔ ہندوستان میں اسلام کی تبلیغ واشاعت میں بھی ان کا اہم رول ہے۔ مغل اور صفوی خاندانوں کے باہمی نزاع وافتراق نے افغانستان کے اتحاد واتفاق کا شیرازہ منتشر کردیا، اور اس طرح خارجی فتوحات کا سلسلہ موقوف ہوگیا، لیکن ملک کی موجودہ پوزیشن باقی رہ گئی جو احمد شاہ ابدالی ملقب بدرۃ الدہر کے عہد میں افغانستان کے نام سے موسوم ہوا۔

انگریزوں سے معرکہ:

آخری درانی بادشاہ شجاع الملک کے عہد حکومت میں ایک نئے خاندان نے دوست محمد کی قیادت میں تخت حکومت کے لئے بغاوت کردی، شجاع الملک کو مجبوراً افغانستان چھوڑ کر ہندوستان آنا پڑا۔ اس نے یہاں اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کے حصول کے لئے انگریزوں کا سہارا لیا۔ دوست محمد خان روس سے پہلے ہی معاہدہ کرچکا تھا۔ اس نے روس کی مدد سے ۱۸۳۹ء میں انگریزوں کے حملہ کو ناکام بنادیا۔ انگریزوں کی عیار فطرت نے انہیں سازش پر آمادہ کیا انہوں نے مشہور انگریز سیاح الیگزنڈر برنس (Sir Alexander Burns) کو روسی جنرل ویکو وچ (Vicovich) کی سازشوں کے مقابلہ کے لئے افغانستان بھیجا، لارڈ الیگزنڈر نے افغانستان سے واپس آکر بتایا کہ شاہ شجاع الملک کی واپسی کے لئے کابل پر حملہ کرنا ضروری ہے۔ شاہ شجاع جیسے ہی دوبارہ حکومت پر قابض ہوئے انگریزوں نے ضرورت محسوس کی کہ ایک منظم فوج کے ذریعہ اس کی حمایت کی جائے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت انگریزوں کے خلاف عام باشندوں میں شدید عداوت کا جذبہ پیدا ہوگیا تھا، جس نے ملکی استحکام کو بالکل تباہ کردیا تھا۔

۱۸۴۱ء میں کابل میں زبردست انقلاب ہوا جس میں برٹش گورنر اور متعدد انگریز فوجی افسر مارے گئے، صورت حال سے مجبور ہوکر انگریزی کمانڈر کو اپنی فوج کے لئے امان لینی پڑی اور اس نے بلاتاخیر اپنی فوجیں ہٹالینے کا وعدہ کیا اس کے بعد "خرد کابل" کا خوں فشاں معرکہ پیش آیا، جن میں افغانی جانبازوں نے سولہ یا سترہ ہزار انگریزی فوجیوں کو بالکل تباہ وبرباد کردیا حتی کہ ایک فوجی ڈاکٹر برانڈون کے سوا کوئی زندہ بچ نہ سکا۔

اس رسوا کن شکست کے بعد انگریزوں نے مجبوراً دوست محمد خاں سے صلح کرلی اور

اس کی حکومت کو تسلیم کرلیا اور آئندہ کے لئے وعدہ کیا کہ وہ اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کریں گے۔ شیر علی خاں کے دور حکومت (۱۸۷۲ء) میں جب روس نے افغانستان میں مداخلت کی تو اس نے انگریزوں سے مدد طلب کی۔ انگریزوں نے صورت حال کی نزاکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ ایسی تجاویز اور شرائط پیش کئے جو اس کے مفاد میں نہ تھے اس لئے ان پر اتفاق نہ ہوسکا۔

دینی غیرت اور اسلامی حمیت:

۱۸۸۰ء سے ۱۹۲۱ء تک کا زمانہ افغانستان میں روسی اور انگریزی کشمکش کا زمانہ ہے۔ اس عرصہ میں انگریزوں نے افغانستان پر اپنا اقتدار وتسلط قائم کرنے کی پیہم کوشش کی۔ انہیں اپنے مقصد میں کچھ کامیابی بھی ہوئی لیکن افغانی مسلمانوں کی مسلسل مزاحمت کی وجہ سے اس کا اثر دیرتک قائم نہ رہ سکا۔ اور بالآخر ۱۹۲۱ء کے معاہدہ میں برٹش حکومت کو افغانستان کی خود مختاری کا اعلان کرنا پڑا۔ شاہ امان اللہ جو ۱۹۱۹ء میں تخت نشین ہوئے تھے مغربی تہذیب وتمدن سے اس حد تک متاثر تھے کہ حکومت وادارت، تعلیم وتربیت اور فوجی تنظیم، ہر میدان میں تہذیب فرنگ کے نقوش قائم کرنے شروع کئے۔ وہ مصطفی کمال اتاترک کے افکار ونظریات سے بھی متاثر تھے۔ انہوں نے کمال اتاترک کے صلاح ومشورہ سے طے کیا کہ افغانستان میں بھی ترکی انقلاب کا تجربہ کیا جائے۔ امیر شکیب ارسلان نے اپنی کتاب "حاضر العالم الاسلامی" میں شاہ امان اللہ کے مصر کے دورہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شاہ کی بیوی ثریا جب مصر گئیں تو نقاب پوش تھیں لیکن جب وہاں سے واپس آئیں تو بے پردہ ہوکر آئیں۔ اسی طرح شاہ کے سر پر ہیٹ آگیا۔

مصر کے بعد شاہ نے یورپ کا دورہ کیا۔ وہاں سے شاہ کی مغرب زدگی اور ان کی بیوی کی بے پردگی کی اطلاع افغانستان آئی جس نے وہاں کے علماء وعوام دونوں کو شاہ کے خلاف برانگیختہ کردیا۔ شاہ جب یورپ سے واپس آئے تو یہ حکم نافذ کیا کہ عام باشندے انگریزی لباس پہنیں اور عورتیں بے پردہ رہیں۔ ستم بالائے ستم یہ ہوا کہ دوسرے ممالک میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے طالبات کا ایک وفد تیار کیا گیا جس نے افغانی غیرت میں حرکت پیدا کردی اور پورے ملک میں اس کے خلاف بغاوت کی آگ مشتعل ہوگئی۔ مشہور رہزن بچہ سقہ نے اس صورتحال سے فائدہ اٹھایا اور کابل پر قابض ہوگیا اور حبیب اللہ غازی کے نام سے باقاعدہ اپنی بادشاہت کا اعلان کردیا اس کے نام کے سکے جاری ہوئے اور مساجد کے خطیبوں کے نام اس کے لئے دعا کا فرمان جاری کیا گیا، لیکن نادر شاہ نے بغاوت شروع کردی جو ۱۹۲۹ء میں کامیاب ہوگئی اور وہ ۱۶ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو افغانستان کا بادشاہ بن گیا۔

نادر شاہ نے تخت نشین ہونے کے بعد ملک کی اصلاح کی طرف توجہ کی، اس نے ملک کی پوزیشن بحال کی اور شریعت اسلامیہ کو دستور وقانون کا مرجع قرار دیا۔ ۱۹۳۳ء میں دھوکے سے وہ قتل کردیا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا ظاہر شاہ تخت نشین ہوا۔ لیکن ظاہر شاہ نے اپنے مجاہد باپ کے نقش قدم پر چلنے کے بجائے شاہ امان اللہ کی تقلید شروع کی اور ملک میں اجتماعی تبدیلی پیدا کرنے کے لئے وہی طرز عمل اختیار کیا جو شاہ امان اللہ نے اپنے دور حکومت میں اختیار کیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۵۹ء میں ایک شاہی فرمان جاری ہوا جس میں عورتوں کو نقاب کشائی کی اجازت دی گئی، افغانستان کی یونیورسٹی میں مخلوط تعلیم ہونے لگی اور کارخانوں اور دیگر اداروں میں عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے لگیں۔ نظام تعلیم وتربیت میں ایسے عناصر داخل ہوگئے جو قومی روایات کی تضحیک پر مبنی تھے اور بسا اوقات اسلام پر در پردہ حملے کرتے تھے۔

روسی حملہ کی ابتدا:

ظاہر شاہ کے عہد میں اسلام دشمنی کا نیا رجحان پیدا ہوا۔ اس کے برادر عم زاد محمد داؤد کے اثر سے اس رجحان میں مزید ترقی ہوئی۔ یہی محمد داؤد ہیں جو ۱۹۵۳ء میں صدارت، وزارت دفاع اور وزارت خارجہ کے عہدوں پر فائز ہوئے۔

۱۹۵۶ء میں داؤد خاں نے ملک کی تعمیر وترقی کے لئے روس کا سہارا لیا۔ روس کے لئے شاہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا اچھا موقع تھا۔ بلگانن اور خروشچیف فوراً کابل آئے، پھر کیا تھا روس نے اقتصادی اور فنی امداد میں اپنی غیر معمولی سخاوت وفیاضی کا مظاہرہ کیا۔ مدتوں سے مسلمان روس کے دشمن تھے۔ اس نے اس دشمنی کو ختم کرنے کے لئے متعدد مساجد بنوائے یہ ساری تفصیلات شمالی افغانستان تک محدود رہیں۔

داؤد خاں کا یہ طرز عمل ظاہر شاہ کی مخالفت کا سبب بنا، ظاہر شاہ نے امریکہ سے اپنی دوستی کا ارادہ ظاہر کیا، امریکہ نے جو اس موقع کا پہلے سے منتظر تھا اقتصادی اور فنی امداد سے ظاہر شاہ کی مدد کی جس کے آثار جنوبی افغانستان تک محدود رہے۔ داؤد خاں اور ظاہر شاہ کی باہمی کشمکش کے نتیجہ میں ۱۹۶۳ء میں داؤد خاں کو اپنے عہدہ سے مستعفی ہونا پڑا، لیکن کمیونزم اور سرمایہ دارانہ افکار ونظریات افغانستان میں داخل ہوچکے تھے، جس کا منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ عوام اور خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ میں شدید رد عمل ظاہر ہوا۔ اس کشمکش میں جریدہ "گھیخ" کے ایڈیٹر منہاج الدین جاہز کا قتل ہوا۔ سارے ملک میں ابتری پھیل گئی۔ لاقانونیت اور انارکی کا دور دورہ ہوگیا۔

اسی اثناء میں ظاہر شاہ نے سیر وتفریح کی غرض سے اٹلی کا سفر کیا۔ داؤد خاں کے لئے یہ بڑا نادر موقع تھا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ۱۷ جولائی ۱۹۷۳ء کو حکومت پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔ اس نے شاہی نظام ختم کرکے جمہوری نظام نافذ کیا اور خود صدر جمہوریہ بن گیا۔ اس کے عہد میں کمیونسٹوں کی جماعتی سرگرمیاں کافی بڑھ گئیں اور وہ تعلیمی مشنری اور ذرائع ابلاغ پر پوری طرح حاوی ہوگئے۔

داؤد خاں کے زمانہ میں بائیں بازو کا رجحان رکھنے والی تین پارٹیاں رونما ہوئیں — نور محمد تراکی کی خلق پارٹی، بابرک کرمل کی پرچم اور تیسری پارٹی شعلہ جاوید تھی۔ حزب خلق اور پرچم کو سوویت یونین کی تائید حاصل تھی اور شعلہ جاوید کو چین کی حمایت حاصل تھی۔

افغانستان کی دینی جماعتوں کو احساس ذمہ داری نے سامراجی افکار ونظریات کے خطرہ سے عوام کو آگاہ کرنے پر آمادہ کیا کابل یونیورسٹی کے کلیۃ الشریعہ کے پرنسپل غلام محمد نیازی نے استعمار کے زہریلے اثرات پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ استعمار کے متعدد مظاہر ہیں، مثلاً وہ کسی قوم کے فکری، سیاسی اور کبھی اقتصادی نظام پر حملہ کرکے اس کی حریت وآزادی کو پامال کردیتا ہے، لیکن استعمار کی سب سے خطرناک شکل عقائدی استعمار کی ہے جو براہ راست اسلام اور مسلمانوں پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اسلام کے خاتمہ کے لئے آج استعمار کا وسیع اور منظم پلان بن چکا ہے جس نے ہمارے ملک میں داخل ہوکر اپنا کام شروع کردیا ہے۔

اسلامی تحریک کا دائرہ وسیع ہوا خصوصاً تعلیم یافتہ طبقہ نے تحریک میں زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ داؤد خاں نے جب بائیں بازو کی تحریک سے خطرہ محسوس کیا تو اسلامی جماعتوں سے مصالحت کی کوشش کی، لیکن اس کی کوشش کامیاب نہ ہوسکی۔ اس نے خلق پارٹی کے ایک لیڈر کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا لیکن ادھر خلق اور پرچم دونوں پارٹیوں کی فوجی طاقت انقلاب کا منصوبہ بنا چکی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ داؤد کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔

نور محمد تراکی کا انقلاب:

انقلاب کے بعد نور محمد تراکی افغانستان کا صدر بنا، اس نے سابق دستور کو کالعدم قرار دیا، اخبارات ورسائل کی اشاعت پر پابندی عائد کردی۔ ملک کے نظم ونسق پر فوجی کونسل حاوی ہوگئی۔ انقلاب کے بعد کی پہلی میٹنگ میں روسی سفیر نے بھی شرکت کی۔ روس اور افغانستان کے روابط زیادہ مستحکم ہوگئے۔ اس طرح امریکہ کے مقابلہ میں روس کا پلہ بھاری ہوگیا۔

کمیونزم ہمیشہ سب سے پہلے دین پر حملہ کرتا ہے، افغانستان میں بھی یہی ہوا، انقلاب کے بعد روس کے قدم جم گئے، اس نے دین کے خلاف ایسے اقدام کئے جنھوں نے عوام کی دینی غیرت وحمیت میں تلاطم پیدا کردیا اور روسی جارحیت کے خلاف بغاوت پھوٹ پڑی، اگر حزب خلق اور پرچم پارٹی کے درمیان اختلاف نہ ہوتا تو افغانستان کا انقلاب آخری منزل تک پہنچ چکا ہوتا، لیکن دونوں پارٹیوں کے باہمی اختلاف نے حفیظ اللہ امین کے لئے ایک سازگار موقع فراہم کردیا اور وہ ۲۰؍۳؍۱۹۷۹ء کو افغانستان کا صدر بن گیا، ابھی کچھ ہی عرصہ

(بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

جاہ و منصب نہیں — دین و ایمان

ایک ماں بچے کو دودھ پلا رہی تھی کہ ایک سوار بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ادھر سے گزرا۔ ماں نے اس کو دیکھ کر دعا کی، کہ خدایا میرا بچہ بھی اسی شان و شوکت کا ہو، بچہ دودھ چھوڑ کر سوار کو دیکھنے لگا اور کہنے لگا اے پروردگار مجھ کو اس جیسا نہ ہونے دینا۔ یہ کہہ کر بچہ پھر دودھ پینے لگا۔ کچھ دیر کے بعد منظر سامنے آیا کہ لوگ ایک لونڈی کو طرح طرح کے جرائم کا الزام دیتے ہوئے اور اس کو بلا وجہ مارتے ہوئے ادھر سے گزرے۔ لونڈی صرف حسبی اللّٰہ و نعم الوکیل کہتی رہی اور رضا بالقضا پر اس کا عمل رہا۔ بچہ کی ماں نے یہ دیکھ کر دعا کی کہ پروردگار میرا بچہ ایسا نہ ہو۔ بچہ دودھ چھوڑ کر اس کو بھی دیکھنے لگا اور کہنے لگا اے اللہ مجھ کو اس لونڈی کی طرح بنانا۔ اب ماں بیٹوں میں اس امر پر سوال و جواب شروع ہوا۔ ماں نے کہا میں نے سوار اور اس کی شان دیکھ کر جب دعا کی کہ میرا بچہ ایسا ہو تو تو نے کہا کہ خدا مجھ کو اس جیسا نہ بنائے اور اس لونڈی کو جو ذلیل و رسوا کی جا رہی تھی۔ میں نے دیکھ کر جب کہا کہ خدا تجھ کو ایسی حالت میں مبتلا نہ کرے تو تو نے کہا کہ خدا مجھ کو ایسا ہی کرے بچے نے جواب دیا کہ اے ماں، سوار ایک نہایت ہی متکبر اور ظالم شخص تھا اس لئے میں نے اس کی حالت اپنے لئے ناپسند کی اور وہ لونڈی جس کو تم ذلیل کہتی تھی حقیقت میں مظلومہ تھی اس لئے میں نے اس کے درجے کی تمنا کی ●●

(بخاری مسلم)

بقیہ صفحہ ۱۱

گذرا تھا کہ ۱۶ر۹ر۷۹ء کو حفیظ اللہ امین اور تراکی میں شدید معرکہ ہوا جو موخرالذکر کے لئے پیام موت ثابت ہوا۔

حفیظ اللہ امین کی صدارت سوویت یونین کے مفاد میں نہیں تھی، اس لئے افغانستان کا حالیہ انقلاب رونما ہوا، جس میں روسی فوج کی مدد سے بابرک کرمل تخت نشین ہوئے اور حفیظ اللہ امین کو امریکی ایجنٹ ہونے کے الزام میں پھانسی دے دی گئی۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ افغانی جانباز روسی جارحیت کا اپنے محدود وسائل سے مقابلہ کر رہے ہیں اور اپنی آزادی کے لئے جان و مال کی قربانی پیش کر رہے ہیں۔

افغانستان کی سیاسی تاریخ کے سرسری جائزہ کے بعد واضح طور پر یہ بات سامنے آگئی کہ اس ملک نے خارجی اثر کو (خواہ وہ ذہنی و فکری ہو یا عملی) کبھی قبول نہیں کیا۔ دخول اسلام کے بعد اس ملک پر ہمیشہ اسلام کا پرچم لہراتا رہا۔ یہاں کے کاروان فکر و عمل نے وسط ایشیا پر اسلامی فتوحات کے نقوش قائم کئے اور واقعہ یہ ہے کہ یہی فتوحات ایشیا پر خارجی حملوں کا سبب بنیں۔ انشاء اللہ افغانستان ماضی کی طرح مستقبل میں بھی اسلامی جہاد کا مضبوط قلعہ رہے گا۔

شعلۂ جاوید

شمس تبریز خاں لکھنؤ

وہ ہندوکش کے پیچھے قوم رہتی ہے جیالوں کی
جماعت غازیان دین کی اللہ والوں کی
وہ آل حضرت خالد ہے سیف اللہ لقب جن کا
پہونچتا ہے اسطرح نام و نسب جن کا
وہ آزادی کے متوالے کہ پیر احرار تھے ان کے
کبھی مسعود غازیؒ، غزنوی سالار تھے ان کے
جہاں سکہ نہ چل پایا نہ ایراں کا نہ یوناں کا
جہاں خورشید ڈوبا آخر کار انگلستاں کا
وہ آزادی کی بستی، حریت کیشوں کا گہوارہ
جہاں جوش عمل سے بنتا ہے ثابت بھی سیارہ
ہوائے حریت چلتی ہے اس کے شاخساروں میں
ہیں درس خودی ملتا ہے اسکے کوہساروں میں

وہ غیرتمند جو دولت لٹا دیتے ہیں عزت پر
زمانہ رشک کرتا آ رہا ہے ان کی ہمت پر
وہ مردان کہستاں پیشہ ہی جن کا فتوت ہے
وہ اہل دل کہ جن کے خون میں شامل مروت ہے
مثال ترک افغاں بھی رہے باطل شکن صدیوں
بنے اسلام کے وہ بازوئے شمشیر زن صدیوں
ہے مشہور زمانہ نخوت ان کی بانکپن ان کا
دلوں کو موہتا ہے آج بھی خلق حسن ان کا
جنوں ساماں ہے عالم جیسے ہر کوہ و بیاباں کا
سنائی کا وطن یعنی وہ مسکن علم و عرفاں کا

نہیں اے دوستو یہ مرحلہ ایران و افغاں کا
زمانہ لے رہا ہے امتحاں مرد مسلماں کا
قیامت ہے کہ ارض پاک افغاں آہیں اٹھے
ترا کی سا شقی القلب و کرمل سا لعیں اٹھے
نقاب دوستی کو اوڑھ کر فوج جفا آئی
بنام زندگی بے رحم یلغار قضا آئی!!
سماواتی درندوں نے پڑوسی کو کچل ڈالا
خزان سرخ نے اخلاق کا گلشن مسل ڈالا
کبھی شہرہ تھا اہل بزم میں لعل بدخشاں کا
بدخشاں اب لہو سے کرتا ہے ساماں چراغاں کا
بدست دہریت اقدار اسلامی کی پامالی
کرے کیوں کر گوارا روح احمد شاہ ابدالیؒ
وطن میں دیکھ کر حزن مسلماں کی وہ ارزانی
تڑپتا ہے نہ مرقد جمال الدین افغانی!
یہ ممکن ہے مٹا ڈالو شکوہ و شان غزنی کو
مٹا سکتا نہیں لیکن کوئی ایمان غزنی کو
عقابی شان رکھتے ہیں جواں حرب و جہد کے
جھپٹتے دشمنان دیں پہ ہیں شہباز ملت کے
بدل جاتی ہے زنجیر غلامی آبگینوں میں
بھڑکتا شعلہ جاوید ہے جن سرزمینوں میں
کبھی خالی نہ ہو پائے گا یہ میخانہ ساقی کا
فنا یہ ہو نہیں سکتا چمن ہے خواجہ باقیؒ کا

خریدار حضرات سے گذارش ہے کہ براہ کرم اپنے صحیح پتوں سے (انگریزی میں) مطلع فرمائیں۔

اسلامی پردہ کا کرشمہ

(خادم کعبہ مولانا شوکت علی مرحوم نے اپنے یہ تاثرات اس مضمون میں ظاہر کئے ہیں جو انہوں نے اپنے برادر خورد مولانا محمد علی جوہر کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں لکھا تھا۔

پردہ کی حمایت میں نظریاتی دلائل کے ساتھ اس کی عملی افادیت ہمارے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے۔ نہ جانے کتنی شریف بیبیوں نے علی برادران کی والدہ کی طرح مشقت و غربت کی زندگی بسر کر کے اپنی اولاد کو تعلیم دلائی اور ملک و ملت کی تعمیر میں بنیادی کردار ادا کیا)

بی اماں چاروں بیٹوں کا خرچ علی گڑھ میں برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ اپنا زیور اور گھر کا سامان بیچ بیچ کر بھیجاتی تھیں، خود پردے کے اندر رہ کر غریبوں کی زندگی بسر کرتی تھیں اور ہم کو باہر شہزادوں کی طرح رکھتی تھیں۔ خدا مسلم عورتوں اور اس اسلامی پردے کو قائم رکھے جس کی بدولت ہزاروں بگڑے گھر درست ہو گئے۔ اسلامی پردہ غربت پر پردہ ڈالتا ہے، ظاہری طمطراق کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے شریف بیبیاں موٹا پہن کر اور موٹا کھا کر اپنے بچوں کی تعلیم پر حسب ضرورت روپیہ خرچ کر سکتی ہیں ورنہ موجودہ فیشن کی گرم اگر موجود ہوتی تو خدا جانے غریبوں کا کیا حشر ہوتا، آج جو چند مسلمان تعلیم یافتہ اور سربرآوردہ ہندوستان میں نظر آتے ہیں، کہیں نام کو بھی موجود نہ ہوتے۔ کاش ہم سب مسلمان اس پر توجہ کریں اور اسلامی پردے کا احترام کرتے ہوئے اس پر قائم رہیں، اپنی اقتصادی اور ملکی ضروریات کے لحاظ سے اس پر ایسا اضافہ کریں جو خدا کے حکم کے خلاف نہ ہو، مگر ہماری مصلحت کے مطابق ہم کو عزت و آبرو کی زندگی بسر کرنے کا موقع دے۔

ماخوذ

(ماہنامہ "جامعہ" نئی دہلی)

ہندوستان کی تاریخ

ایک نیا موڑ لے رہی ہے اور یہ موڑ اس پورے ملک کو تباہی کی طرف لے جا سکتا ہے۔ ہم مسلمانوں کو اپنے اس پیارے وطن کو اس مصیبت سے بچانا اور اپنے سماج کو ہر میدان میں ایک صحت مند زاویۂ نظر دینا ہے۔

ہفت روزہ
دعوت
نئی دہلی

اسی عزم و ارادے کو پورا کرنے کی جانب ایک نیا قدم ہے

اپنے دل اور ایمان کی اس آواز کو
ملک کے گوشے گوشے تک پہنچانے میں ہمیں سب کا تعاون درکار ہے

سائز ۲۲×۳۲/۴ ، صفحات ۱۲

★ سالانہ -/۳۸ روپے ★ ششماہی -/۲۰ روپے
★ سہ ماہی -/۱۰ روپے ★ فی کاپی ۷۵/. پیسے

ایجنسیاں اپنی شرائط کیلئے
ہفت روزہ دعوت سوئیوالان، نئی دہلی سے
رابطہ قائم کریں

دس سالانہ خریدار فراہم کرنے پر ایک پرچہ فری جاری کیا جا سکتا ہے

(منیجر)

بقیہ صفحہ ۲

پوری طرح واقف اور تربیت کے تقاضوں سے باخبر ہوں۔

اسی کے ساتھ ایسے مدرسین کی تیاری ضروری ہے جو تدریس کے جدید اصولوں اور اسالیب سے واقف ہوں اور وہ خشک سے خشک موضوع دلچسپ انداز میں ایسے دلنشیں طریقہ سے پڑھائیں کہ طالب کو اس موضوع سے خاص تعلق ہو جائے۔ اگر ہم نے تدریسی اور تربیتی مشکلات پر قابو پا لیا تو دوسرے مسائل و مشکلات خود بخود حل ہو جائیں گی۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے پیش نظر اس سلسلہ میں ایک تربیتی پروگرام بھی ہے، وہ چاہتا ہے کہ جس طرح اس نے سب سے پہلے اصلاح نصاب کی تحریک چلائی تھی اور تمام درسگاہوں کے سامنے ایک عملی نمونہ بھی اس نے پیش کیا ہے اسی طرح تدریس و تربیت کا پروگرام بھی علم نفسیات اور جدید تدریسی اصولوں کی روشنی میں شروع کیا جائے۔

پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس دہلی میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات، شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع کیا۔

مجلس ادارت: نذر الحفیظ ندوی، شمس الحق ندوی، محمود الازہار ندوی

بمبئی میں
خالص گھی اور میوہ جات سے بھرپور
مٹھائیاں اور حلویات
عمدہ و لذیذ
سلیمانی افلاطون
اس کے علاوہ خصوصی پیش کش
ڈرائی فروٹ برفی
ملک کیک ★ قلاقند ★ ملائی ★ برفی ★ کوکو ملائی برفی
ہر قسم کے تازہ و خستہ
بسکٹ
اور
نان خطائیاں
خریدنے کا قابل اعتماد مرکز
سلیمان عثمان مٹھائی والے
مینارہ مسجد کے نیچے، بمبئی
فون 320059
بیکری :- ۳۳ - محمد علی روڈ بمبئی - ۳

دار العلوم میں توسیعی خطبات

ڈاکٹر یوسف القرضاوی کی آمد

دار العلوم کی طرف سے توسیعی خطبات کا جو مفید سلسلہ شروع کیا گیا تھا اس پروگرام کے تحت فروری کے آخر ہفتہ میں پروفیسر ضیاء الحسن فاروقی پرنسپل جامعہ کالج ندوہ تشریف لائے اور انیسویں صدی میں ہندوستانی مسلمان کے موضوع پر ایک مقالہ پیش کیا۔

● اس کے مابعد ڈاکٹر یوسف کوکن نے امام ابن تیمیہ کے عہد اور ان کے کارناموں پر دو لیکچر دیئے۔

● گذشتہ سال مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی دعوت پر شام کے مشہور و ممتاز عالم و محقق شیخ عبد الفتاح ابو غدہ توسیعی خطبات کے پروگرام میں شرکت کے لئے ندوہ تشریف لائے تھے۔ اس سال عالم اسلام کے داعی و مبلغ، شیوا بیان مقرر اور مشہور مصنف ڈاکٹر یوسف القرضاوی حضرت مولانا کی دعوت پر دس دن کے لئے تشریف لائے۔ موصوف اخوان کے سرگرم داعی اور ازہر کے ممتاز فاضل ہیں۔ اسلامی فقہ و قانون پر گہری نظر ہے، فقہ الزکوٰۃ ان کی معرکۃ الآراء کتاب ہے جو اپنے موضوع پر منفرد سمجھی جاتی ہے۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی جب ۱۹۵۱ء میں مصر تشریف لے گئے تھے اس وقت یوسف القرضاوی ازہر کے طالب علم تھے، انکے بارے میں مولانا نے اپنی ڈائری میں جو تاثرات نوٹ کئے تھے وہ یہ تھے، "آج ۲۸ جنوری ۵۱ء کی صبح کو اخوانی طالب علم یوسف القرضاوی و محمد الواشی ہمارے پاس آئے، ان کے چہرے سے دینی غیرت و حمیت، ذہانت و عالی ہمتی ہویدا تھی، ایسے ہونہار نوجوان تھے جن سے آنکھیں ٹھنڈی ہوں" اور یہ پیشینگوئی حرف بحرف پوری ہوئی، اُس وقت کا ذہین و عالی ہمت اور ہونہار نوجوان آج ایک جرأتمند حق گو عالم، کامیاب مصنف، باکمال مقرر اور مخلص و سرگرم داعی و مبلغ کی حیثیت سے پورے عالم اسلام کے لئے ایک منارۂ نور بنا ہوا ہے۔

پہلے دن دار العلوم کی طرف سے ڈاکٹر یوسف القرضاوی کو استقبالیہ دیا گیا، جسمیں انہوں نے ندوۃ العلماء کے بالغ نظر، روشن ضمیر اور دور اندیش قائدین کے تخیل کو بہت زیادہ سراہا اور اس کی مکمل تائید کی اور فرمایا کہ تعلیم میں جو ثنویت اور دوئی پیدا ہو چکی ہے اس کو ندوۃ العلماء کے اس جامع تخیل سے دور کیا جا سکتا ہے۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس جامع تخیل کے ساتھ ندوۃ العلماء نے عملی نمونے بھی پیش کئے جو اس نظریہ کی کامیابی کی دلیل ہیں۔

دوسرے دن جمعہ کی نماز شیخ نے پڑھائی اور امت مسلمہ کے دعوتی منصب و مقام کے بارے میں خطبہ دیا جو قرآن و حدیث سے مدلل تھا اور انتہائی پرمغز بھی۔ خطبہ ان کے داعیانہ جوش و جذبۂ اخلاص کی گواہی دے رہا تھا۔

تیسرے دن سے صبح و شام محاضرات کے سلسلہ کا آغاز ہو گیا، پہلے محاضرہ میں ڈاکٹر صاحب نے عالم اسلام کے لادینی افکار، رجحانات اور ان کی ترویج و اشاعت میں سرگرم باطل تحریکوں اور فتنوں کا تفصیل سے تذکرہ کیا۔ آخر میں ان منحبت کوششوں کا بھی موصوف نے جائزہ لیا جو اسلامی دنیا میں علماء و مفکرین کی طرف سے کی جا رہی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے شام کی نشست میں طلباء کے سوالوں کے جوابات دیئے اس کے بعد کی نشستوں میں شیخ یوسف القرضاوی نے مختلف علمی و تربیتی موضوعات پر تقریریں کیں، جسمیں انھوں نے سیرت نبوی کے مطالعہ کے شرائط اور اسکے مصادر، اسلامی اقتصادیات کے اصول و مبادی، اشیائے صرف کی پیداوار، اسکے مصادر اور استعمال، اسلامی فقہ و قانون کی برتری، اس میں ہر دور کے تقاضوں کا ساتھ دینے اور مسائل و مشکلات کے حل کرنے کی صلاحیت پر تقریریں کیں اور آخری محاضرہ میں اسلامی تربیت اور اسکے اصول و مبادی کا تذکرہ کیا۔

دار العلوم میں جمعرات کا دن طلبہ کی طرف سے عربی تحریر و تقریر کے مشق کا دن ہوتا ہے۔ شیخ اس پروگرام میں بھی شریک ہوئے اور مختلف موضوعات پر طلباء کی فی البدیہہ تقریروں

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

بقیہ ص۵

جہاں زندگی کا خدا اور خدا کے قانون کے ساتھ کوئی ربط نہیں!

لیکن اسلامی معاشرہ ایک دوسری طرح کا معاشرہ ہے، جہاں متمول لوگ ہر سال اصل مال کا چالیسواں حصہ بیت المال کو دیتے ہیں اور معاشرے کو فسادات و آفات سے بچانے کے لئے اس کے علاوہ بھی حکومت بغیر کسی قید و شرط کے وصول کر سکتی ہے۔ اسلامی معاشرے میں بے کار، باکار، طاقتور، ناتواں، تندرست اور بیمار غرض ہر فرد کے لئے روٹی، کپڑے اور مکان کا بندوبست ہوتا ہے۔ آپ اس نظام کو عملاً نافذ کیجئے، اور پھر دیکھئے کہ کتنے محتاج باقی رہتے ہیں اور کتنے چور، چوری کی طرف مائل ہوتے ہیں جب کہ ان کا پیٹ بھی روٹی سے بھرا ہو اور دل بھی ایمان سے معمور ہو۔

کچھ لوگ اسلامی تعلیمات کا اتباع کرنے والے نوجوانوں کی جنسی مشکلات کے بارے میں سوال کرتے ہیں حالاں کہ ان کے پیش نظر ایک ایسے غیر اسلامی معاشرے میں زندگی گذارنے والے نوجوان ہوتے ہیں، جہاں کی ہر چیز جنسی جذبات اور نفسانی خواہشات کے لئے محرک اور ہیجان انگیز ہے۔ پھر بھی وہ نوجوانوں کے مسائل کے بارے میں اسلامی نظریہ دریافت کرتے ہیں۔

اسلامی معاشرے اور ماحول کے اندر ہرگز عریانیت پسند، اپنے کو بنا سنوار کر دوسروں کو مائل کرنے والی، لوگوں کی طرف مائل ہونے والی، تتلی کی طرح ہر پھول کا رس چوسنے والی اور شیطانی فتنے پھیلانے والی دوشیزائیں نہیں پیدا ہوں گی۔ اسلامی معاشرے کے اندر ہرگز گندی فلموں اور گانے بجانے کا رواج نہیں ہوگا۔ اسلامی معاشرے میں ہرگز ایسی صحافت کی گنجائش نہیں ہوگی جو ننگی تصویروں اور شہوت انگیز اشارات و بیانات کی نشر و اشاعت کر کے متعدی ہونے والے فاسد مادہ کی طرح ہر جگہ تباہی کا باعث بنے۔ اسلامی معاشرے میں ہرگز شراب اور نشیلی اشیاء کا وجود نہیں ہوگا جو لوگوں کو قوت ارادہ و فکر سے محروم کر کے ان کی نظر میں گناہوں کو خوبصورت بنائے۔ اور اسلامی معاشرے میں ہر جوان عورت و مرد کے لئے یہ ممکن

ہوگا کہ جلد اور بروقت شادی کر سکیں کیونکہ بیت المال کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل ہے کہ ایسے معاملات میں ضرور مدد دے جو انسانوں کو پاکباز رکھنے کا ذریعہ ہوں۔

اگر جوانوں کی جنسی مشکلات کے بارے میں آپ اسلامی نظریہ دریافت کرتے ہیں تو آپ کی ذمہ داری ہے کہ پہلے پورے اسلامی نظام کو عملاً رائج کیجئے، اور اس کے بعد دیکھئے کہ کیا جوانوں کی ان مشکلات کا کوئی وجود بھی باقی رہتا ہے۔ اسلامی نظام کو پورے طور پر نافذ کرنے سے پہلے آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ایسے سوالات کریں۔ میں ایسے تمام سوالات کو اسلام کے ساتھ تمسخر سمجھتا ہوں جو اسلامی نظام کے نفاذ کا نتیجہ نہ ہوں اور وہاں کئے جائیں جہاں اسلام پورے طور پر عملی زندگی سے دور ہو، اسی طرح میں ان سوالوں کے جوابات دینے والوں کو بھی اس تمسخر میں شریک سمجھتا ہوں۔

جو لوگ اسلام کے نام پر شور مچاتے ہیں کہ کاروبار میں حصہ نہ لیں یا پارلیمنٹ میں شریک نہ ہو یا یہ کہ طویل لباس پہنیں میں ان لوگوں کی نیک نیتی کا احترام کرتے ہوئے، معذرت طلبی کے ساتھ ان سے کہنا چاہتا ہوں کہ وہ صرف ان چند جزوی باتوں کو تمام مشکلات کی جگہ دیکر اسلام کے ساتھ مذاق اور تمسخر کا بہانہ بنا رہے ہیں۔ ان لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی طاقت و صلاحیت کو اسلامی نظام کے عملاً نافذ کرنے اور زندگی کے ہر گوشے میں اسلامی قوانین پر عملدرآمد کرانے کے لئے صرف کریں۔ ان کو اس امر کی جد و جہد کرنا چاہیئے کہ اسلام کو معاشرے کے نظام اور سرکاری اصول و ضوابط پر تسلط حاصل ہو اور اسلامی تربیت گھروں، مدرسوں اور پوری زندگی پر غالب ہو۔ انھیں چاہیئے کہ اسلام کو کامل طور پر اختیار کریں اور اس کو پوری عملی زندگی پر حاوی ہونے کا موقع فراہم کریں، صرف یہی ایک طریقہ ہے جس سے اسلام کو بھی سربلندی حاصل ہوگی اور داعیانِ اسلام کو بھی۔

اور یہ مقصد صرف اسی وقت پورا ہو سکتا ہے جب یہ لوگ اپنے کام میں سرگرم و سنجیدہ اور دعوت میں مخلص ہوں۔

ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کیلئے

نہ تو زمیں کے لئے ہے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

یہ عقل و دل ہیں شرر شعلۂ محبّت کے
وہ خار و خس کے لئے ہے یہ نیستاں کے لئے!

مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ چمن
نہ سیرِ گل کے لئے ہے نہ آشیاں کے لئے

رہے گا راوی و نیل و فرات میں کب تک
ترا سفینہ کہ ہے بحرِ بیکراں کے لئے!

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں کسی مردِ راہ داں کے لئے

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لئے

ذرا سی بات تھی اندیشۂ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے فقط زیبِ داستاں کے لئے

مرے گلو میں ہے اک نغمہ جبرئیل آشوب
سنبھال کر جسے رکھا ہے لامکاں کے لئے!

(اقبال)